جمال القرآن کامل

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

معہ حواشی جدیدہ

ناشر:
مکتبہ حفظ القرآن
دیوبند

حق طبع محفوظ باین حاشیہ

جمال القرآن کامل

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

معہ حواشی جدیدہ

از

اظہار احمد التھانوی شعبہ تجوید و قراءت مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار۔ لاہور

جس کو قاری محمد سعید عالم مدرس تجوید دار العلوم دیوبند نے

مکتبہ حفظ القرآن سے شائع کیا

قیمت ۱/

عرضِ محشی

"جمال القرآن کامل" کے نام سے یہ کتاب غالباً پہلی مرتبہ مطبع مجیدی کانپور میں شائع ہوئی اس کی کتابت نہایت عمدہ جلی، واضح اور دیدہ زیب تھی، جی چاہا کہ ایسے ہی انداز میں کھلے سائز پر اس کی طباعت ہو جائے۔ ساتھ ہی بعض احباب کی فرمائش ہوئی کہ اس پر مختصر حاشیہ بھی ہو جائے تو اچھا ہے کتاب بذاتِ خود سہل اور واضح کر کے لکھی گئی ہے تاہم طلبہ و اساتذہ کی سہولت کے لیے کچھ ضروری اشارات شامل کر دیے گئے ہیں

اساتذہ کرام اس رسالے کو اچھی طرح سمجھا کر یاد کرائیں تو آگے آنیوالی کتابوں میں بڑی مدد مل سکتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مسائل کا بار بار قرآن میں اجراء کرایا جائے۔ مختلف انداز سے سوالات کئے جائیں۔ بتکرار سوالات سے مسائل اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

ابتدا میں حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات، شامل کتاب کئے گئے ہیں تاکہ آئندہ نسلیں بزرگوں سے اور ان کے کارناموں سے ناواقف نہ رہیں۔ کتاب میں بعض مسائل بچوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے طویل عبارتوں میں آئے ہیں، اُن کا مختصر سا خلاصہ حواشی میں جا بجا دیا گیا ہے تاکہ زبانی یاد کرانے میں آسانی ہو نیز فنی لحاظ سے بعض ضروری مسائل جو تنقیح طلب تھے زیر بحث آئے ہیں آخر میں حفص بن سلیمانؒ صاحبِ روایت، امام عاصمؒ صاحب قرأت اور اُن کے شیوخ زِر بن حُبَیش اور ابن حبیب سلمی رحمہما اللہ کے حالات و سوانح بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ تاکہ طلباء فن، ان ائمہ فن سے واقف ہوں۔ جا بجا فارسی و عربی میں جو حواشی ہوں گے، وہ خود حضرت مؤلفؒ کے لکھے ہوتے ہیں۔

اس رسالہ کو جو مقبولیت حاصل رہی ہے وہ حضرت مؤلفؒ کے کمال خلوص و للّٰہیت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اپنے رضوان و رحمت میں سربلندی عطا فرمائے اور ہمیں بھی اپنی رضا و خوشنودی سے نوازے اور عاقبت بخیر کرے۔

حالاتِ حضرت مؤلّف

نام ونسب و پیدائش نام اشرف علی لقب حکیم الامت، والد ماجد کا نام عبدالحق۔ والد صاحب کی طرف سے فاروقی النسل اور والدہ صاحبہ کی طرف سے علوی ہیں، قصبہ تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر یوپی (ہند) میں ایک رئیس گھرانہ میں ۵، ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن پیدا ہوئے، تاریخی نام "کرم عظیم" ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے تاریخ رحلت پر فرمایا ع یہ رحلت ہے آج اشرف الاولیاء کی

تعلیم وتربیت اولاً قرآن شریف حفظ کیا، استاد کا نام حافظ حسین علی تھا۔ حفظ سے فارغ ہوئے تو تھانہ بھون میں مختلف اساتذہ سے اور زیادہ تر متوسطات تک فارسی اور ابتدائی عربی کتب حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ سے پڑھیں۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی بہت بڑے عالم باعمل متقی و پرہیزگار ہونے کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور دار العلوم دیوبند میں فارغین علماء کی جو سب سے پہلی جماعت تھی اُن میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند کے علاوہ مولانا فتح محمد صاحبؒ بھی تھے

حضرت حکیم الامتؒ کی عمر ۱۲ - ۱۳ سال تھی کہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب کی تعلیم وتربیت کا گہرا اثر آپ نے قبول کیا، باجماعت نماز پنجگانہ کا خاص اہتمام فرمانے کے علاوہ پچھلی رات تہجد کو اُٹھتے اور نوافل و وظائف پڑھتے تھے۔

قریباً ۱۵ سال کی عمر میں آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ وہاں فارسی کی اعلیٰ کتابیں مثلاً سکندر نامہ وغیرہ مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی سے پڑھیں۔ دار العلوم میں ۱۲۹۵ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں فارغ ہوئے۔ عربی کی متوسطات حضرت شیخ الہند اور دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں اور دورۂ حدیث اور دیگر اعلیٰ کتب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (صاحبزادہ حضرت مولانا مملوک العلی صاحب اور خلیفہ و مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ) سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد حضرت چودہ سال تک کانپور میں صدر مدرس رہے۔ اسی زمانہ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور خاصے طویل عرصہ تک حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی کی خدمت میں بیعت وسلوک کے مراحل طے کیے تجوید و قراءت کی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ صَولتیہ کے صدر مدرس شیخ عرب وعجم حضرت قاری عبداللہ صاحب

مہاجر مکہ سے استفادہ کیا، مشق و ریاض سے ایسی عمدہ استعداد پائی تھی کہ لب و لہجہ و ادائیگی میں استاذ کے مثیل و مشابہ ہو گئے ۔ جب حضرت قاری صاحب مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل میں حضرت کو مشق کراتے تھے تو نیچے منزل میں سننے والے یہ تمیز نہ کر سکتے تھے کہ اس وقت استاد پڑھ رہا ہے یا شاگرد ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح اور ان کے بعد ابو حنیفۂ روزگار حضرت مولانا رشید احمد صاحب رح سے فن افتاء میں مہارت بہم پہنچائی ۔ سلوک میں حضرت حاجی صاحب رح سے منازل تصوف میں حد کمال کو پہنچے اور خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

تصنیف و افادۂ باطنی

قیام کانپور کے زمانہ میں تعلیم و تدریس وعظ و تبلیغ افتاء اور افاضۂ باطنی میں بے شمار علماء اور عام مسلمان آپ سے مستفید ہوئے ۔ چودہ سال قیام کانپور کے بعد ایک خاص داعیۂ قلبی کے تحت محض توکلاً علی اللہ وطن تھانہ بھون تشریف لائے اور اپنے شیخ روحانی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کی خانقاہِ امدادیہ میں جانشین ہو گئے ۔

اللہ تعالیٰ نے بے مثال مقبولیت نصیب فرمائی وعظ و ارشاد، بیعت و سلوک اور تصنیف و تالیف کا اس قدر عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے کہ اس کام کی وسعت کے پیشِ نظر تنہا ایک ایک خدمت کے لیے ایک مستقل ادارہ کی ضرورت تھی۔ مگر

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ	اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں
اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ	کہ ایک عالم کا کام ایک فرد میں جمع کر دے ۔

چنانچہ ہزار سے اوپر تصانیف کی تعداد ہے، ہزاروں سے متجاوز آپ کے ہاتھوں پر توبہ اور بیعت کرنے والے ہوئے متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ کے وعظ و ارشاد سے معمور ہوا ۔ ہزاروں مسلمانوں کو آپ کے فتاویٰ سے دینی و شرعی رہبری نصیب ہوئی اور سینکڑوں علماء و مشائخ آپ کے خلفاء و مجازین بیعت و سلوک ہوئے ۔

تصانیف

فقہ، تفسیر، حدیث تصوف، تجوید عقائد اور مسلمانوں کی رہبری و راہنمائی میں معاشرتی تمدنی سیاسی اور تجارتی موضوعات پر نہایت محققانہ و گراں مایہ تحقیقات و استنباط پر مشتمل ہیں

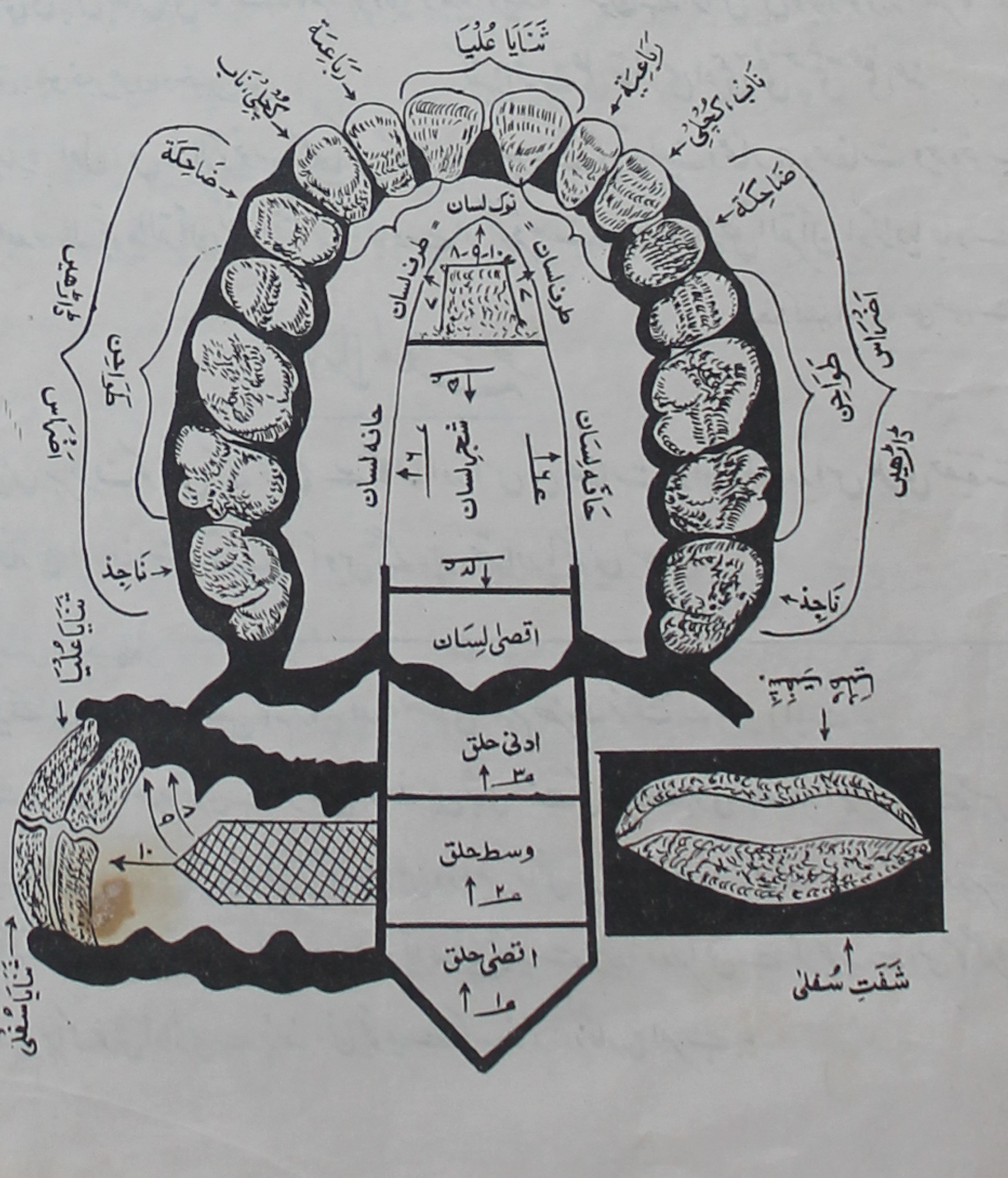
سینکڑوں مواعظ قلم بند ہو ہو کر دور و نزدیک کے تمام مسلمانوں میں پھیلے اور ان کی راہنمائی کا سامان ثابت ہوئے ۔

حیرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنی تصانیف سے کبھی کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا اجازت عام تھی کہ میری کتابیں جس کا جی چاہے جب چاہے اور جس قدر چاہے چھاپے ۔ حضرت تصانیف کے حقوقِ طباعت کو فروخت کرنا شرعاً ناجائز سمجھتے تھے اس عام اجازت سے فائدہ اٹھا کر حضرت کی تصانیف سے سینکڑوں ناشرین

نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم لوگوں نے بھی کتابیں شائع کیں اور ہزاروں روپیہ کمائے اور کما رہے ہیں۔

آپ تصوف، تفسیر اور فقہ میں امام الوقت تھے۔ ارشاد و سلوک میں علماء کی زبردست راہنمائی فرمائی۔ آپ کے خلفاء میں استاذنا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحؒ کیمبلپوری صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مدظلہ العالی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور۔ استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خانصاحب رحؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور مشہور مصنف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحؒ وغیرہ وغیرہ نہایت ممتاز علماء و اکابرین ملت ہوتے ہیں۔

نقشۂ مخارج



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ چند اوراق ہیں ضروریات تجوید میں مسمّٰی "جمالُ القرآن" اور اُس کے مضامین کو مُلقّب بہ لمعات کیا جائے گا مُحبّی مکرمی مولوی حکیم محمد یوسف صاحب مہتمم مدرسہ قدّوسیہ گنگوہ کی فرمائش پر کتب معتبرہ سے خصوص رسالہ ہدیۃ الوحید مؤلّفہ قاری مولوی عبدالوحید صاحب مدرّسِ اوّل درجۂ قراءت مدرسہ عالیہ دیوبند سے ملتقط کر کے بہت آسان عبارت میں جس کو مبتدی بھی سمجھ لیں لکھا گیا ہے اور کہیں کہیں قراءت کے دوسرے رسالوں سے بھی کچھ لکھا گیا ہے وہاں ان رسالوں کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں اپنی یادداشت سے کچھ لکھا ہے وہاں کوئی نشان بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی پس جہاں کسی کتاب کا نام نہ ہو وہ یا تو ہدیۃ الوحید کا مضمون ہے اگر اُس میں موجود ہو ورنہ احقر کا مضمون ہے وباللہ التوفیق وھو خیر عون وخیر رفیق

کتبہٗ اشرف علی تھانوی ادہمی حنفی چشتی عفی عنہ

مشورۂ مفیدہ اول اس رسالہ کو خوب سمجھا کر پڑھاویں اور ہر شے کی تعریف ومخارج وصفات وغیرہ خوب یاد کراویں اس کے بعد رسالہ تجوید القرآن نظم حفظ کرا دیا جاوے اور اگر فرصت کم ہو تو رسالہ حقّ القرآن یاد کرا دیا جاوے

فقط کتبہٗ اشرف علی عفی عنہ

پہلا لمعہ

تجوید[1] کہتے ہیں ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی صفات کو ادا کرنا، اور اس علم کی حقیقت اسی قدر ہے[2] اور مخارج اور صفات آگے آویں گے۔ چوتھے اور پانچویں لمعہ میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[1] عربی میں تجوید کے معنی عمدہ اور حسین کام کرنا۔ اور اصطلاحی مفہوم حضرت مؤلفؒ نے بیان فرمایا ہے۔

[2] کہنے میں یہ بات تو مختصر سی معلوم ہوتی ہے مگر عامل ہونے میں بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور ماہر اساتذہ سے جس قدر استفادہ کیا جائے بہتر ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ فن کی تعریف میں دو باتیں داخل ہیں ایک حروف کو مخارج سے نکالنا دوسرے ان کی تمام صفات ادا کرنا۔ معلوم ہوا کہ وقف کرنے کے مسائل وقواعدِ فنِ تجوید سے علیحدہ دوسرا فن ہے مگر تجوید سے اس کا گہرا تعلق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے پڑھنا، فن تجوید سے ایک زائد اور خارج امر ہے۔

دوسرا لمعہ

تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا جائے جیسے اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْھَمْدُ پڑھ دیا یا ث کی جگہ س پڑھ دیا۔ یا ح کی جگہ ہ پڑھ دی یا ذ کی جگہ ز پڑھ دی یا ص کی جگہ س پڑھ دیا یا ض کی جگہ دال یا ظ پڑھ دی یا ظ کی جگہ ز پڑھ دی یا ع کی جگہ ہمزہ پڑھ دیا اور ایسی غلطیوں میں اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگ بھی مبتلا ہیں، یا کسی حرف کو بڑھا دیا جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں دال کے پیش کو اور ہ کے زیر کو اس طرح کھینچکر پڑھا اَلْحَمْدُوْ لِلّٰهِىْ یا کسی حرف کو گھٹا دیا جیسے لَمْ يُوْلَدْ میں واؤ کو ظاہر نہ کیا اس طرح پڑھا لَمْ يُلَدْ یا زبر زیر پیش جزم میں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دیا جیسے اِيَّاكَ کے کاف کو زیر پڑھ دیا یا اِهْدِنَا میں ہ سے پہلے اس طرح زبر پڑھ دیا اَهْدِنَا یا اَنْعَمْتَ کی میم پر اس طرح حرکت پڑھ دی اَنْعَمَتَ یا اور اسی طرح سے کچھ پڑھ دیا ان غلطیوں[۱] کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے (حقیقۃ التجوید) اور بعض جگہ اس سے معنی بگڑ[۲] کر نماز بھی جاتی رہتی ہے ۔ اور دوسری قسم یہ

۱ے حاصل یہ کہ لحن جلی کی چار صورتیں ہیں (۱) تبدیل حرف بحرف (۲) حرکات کو بڑھا کر پڑھنا (۳) حروف مدہ کو گرا کر پڑھنا (۴) حرکات و سکنات میں غلطی کرنا ۔

ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا کبھی مخرج بدلنے سے ہوتا ہے جیسے حا کی جگہ ھا یا خا پڑھنا اور کبھی صفاتِ لازمہ ممیّزہ میں تبدیلی کی وجہ سے ۔ جیسے ص کا س سے بدل جانا ۔ لحن جلی کی دوسری اور تیسری صورتوں کا حاصل یہ ہوا کہ اضافہ اور کمی دونوں لحن جلی ہیں ۔ اسی میں داخل ہوگا کسی مشدّد کو مخفف پڑھنا کہ یہ کمی ہے یا کسی مخفف کو مشدّد پڑھنا کہ یہ اضافہ ہے ۔

۲ے "معنی بگڑ کر" پر غور کرنے سے واضح ہو سکتا ہے کہ صرف حرف کی تبدیلی سے نماز میں بگاڑ نہیں آتا گو گناہ ہوتا ہے۔ نماز میں فساد اس وقت ہوتا ہے جب لحن جلی کی وجہ سے قرآن کے معنی میں بگاڑ آ جائے ۔حضرت مؤلف نے یہ ایسا جامع لفظ تحریر فرما دیا ہے کہ فقہی مسائل و جزئیات کے بہت سے سوالات کا حل سمجھ میں آ سکتا ہے ۔

کہ ایسی غلطی تو نہیں کی لیکن حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے[1] مقرر ہیں اُن کے خلاف پڑھا جیسے را پر جب زبر یا پیش ہوتا ہے اس کو پُر یعنی مُنہ بھر کر پڑھا جاتا ہے جیسے اَلصِّرَاطَ کی را جیساکہ آٹھویں لمعہ میں آئے گا۔ مگر اُس نے باریک پڑھ دیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں یہ غلطی پہلی غلطی سے ہلکی ہے یعنی مکروہ ہے (حقیقۃ التجوید) لیکن بچنا اس سے بھی ضروری ہے۔

تیسرا لمعہ

قرآن شریف شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا ضروری[2] ہے اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سُورت سے شروع کرے تو بسم اللہ ضروری ہے اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے کوئی سُورت بیچ میں شروع ہو گئی تب بھی بسم اللہ ضروری[3] ہے مگر اس دوسری صورت میں سورۃ برارت کے شروع میں نہ پڑھے اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صُورت[4] میں بھی سورۃ برارۃ پر بسم اللہ نہ پڑھے[5] اور اگر کسی سورت کے بیچ میں سے پڑھنا شروع کیا تو بسم اللہ پڑھ لینا بہتر ہے ضروری نہیں لیکن اَعُوْذُ اس حالت میں بھی ضروری ہے۔

---

[1] ایسے قواعد سے مراد صفات عارضہ ہیں جن کا بیان آگے آئے گا

[2] ضروری، عرف وعادت قرار کرام یا آداب قرآنی کے لحاظ سے ہے شرعاً نہیں ہے۔ شرعاً مستحب ہے۔

[3] آسانی کے لیے اس طرح یاد کیجئے کہ ابتدار کی تین صورتیں ہیں (۱) ابتدار تلاوت وابتدار سورت (۲) ابتدار تلاوت درمیان سورت (۳) ابتدار سورت درمیان تلاوت۔ تینوں کا حکم یہ ہے کہ اوّل میں اعوذ اور بسم اللہ دونوں ضروری ہیں دوسری میں اعوذ ضروری اور بسم اللہ میں اختیار ہے اور تیسری میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے گی

[4] یعنی ابتدار تلاوت از ابتدار برارت میں

[5] بہتر یہ تھا کہ حضرت مؤلف رحمہ اس بات کو یوں ارشاد فرماتے کہ۔ "بعضے عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صورت میں سورۃ برارت پر بھی بسم اللہ پڑھے۔" لیکن اس قول کے نقل کرنے میں بھی چنداں فائدہ نہیں کیونکہ جمہور قرار وعلمار کا یہی عمل ہے کہ ابتدار برارت میں کسی حال میں بھی بسم اللہ نہ پڑھی جاتے۔ جمہور کے مقابلہ میں بعض علمار کا یہ قول شاذ کے حکم میں ہے جو معمول بہ نہیں۔

چوتھا لمعہ

جن موقعوں سے حروف ادا ہوتے ہیں اُن کو مخارج کہتے ہیں اور یہ مخارج سترہ ہیں -

مخرج (۱) جوف دہن یعنی منہ کے اندر کا خلا اِس سے یہ حروف نکلتے ہیں واوٗ جب کہ ساکن ہو اور اُس سے پہلے حرف پر پیش ہو جیسے اَلْمَغْضُوْبِ یا جب کہ ساکن ہو اور اس سے پہلے زیر ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ الف جب کہ ساکن بے جھٹکے ہو اور اس سے پہلے زبر ہو جیسے صِرَاطَ اور ساکن بے جھٹکے اِس لیے کہا کہ زبر زیر پیش والا اور اسی طرح ساکن جھٹکے والا ہمزہ ہوتا ہے اگرچہ عام لوگ اس کو بھی الف کہتے ہیں جیسے اَلْحَمْدُ کے شروع میں جو الف ہے یا بَأْسَ کے بیچ میں جو الف ہے یہ واقع میں ہمزہ ہے اور اس تمام کتاب میں ایسے دونوں الفوں کو ہمزہ ہی کہا جاوے گا یاد رکھنا۔ اور جس الف اور جس واوٗ اور جس یار کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے ان کو حروف مدّہ اور حروف ہوائیہ بھی کہتے ہیں پہلا نام اس لیے ہے کہ ان پر کبھی مد بھی ہوتا ہے۔ گیارھویں لمعہ کے بیان میں اس کا پورا حال معلوم ہوگا اور دوسرا نام اس لیے ہے کہ یہ حروف ہوا پر تمام ہوتے ہیں اور جس واوٗ ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو واوٗ لین کہتے ہیں جیسے مِنْ خَوْفٍ اور جس یار ساکن سے پہلے زبر ہو اُس کو یار لین کہتے ہیں جیسے وَالصَّیْفِ پس واوٗ لین اور واوٗ متحرک کا مخرج آگے سولھویں مخرج کے بیان میں آوے گا۔

۱۔ حاصل یہ کہ اَ اِ اُ اسی طرح بَأْ بِئْ بُؤْ متحرک اور ساکن دونوں ہمزہ ہیں اگرچہ لکھنے میں واوٗ، الف اور یار کی سی شکل پر ہیں لیکن مخارج کا مدار لکھائی پر نہیں بلکہ حرف کی آواز پر ہے - فرق یہ ہوا کہ ہمزہ جھٹکے سے ادا ہوتا ہے خواہ ساکن ہو یا متحرک، اور الف ہمیشہ نرمی سے ادا ہوتا ہے اور ہمیشہ ساکن ماقبل مفتوح ہوتا ہے با تا ثا جا حا خا الیٰ آخرہ میں الف ہے۔ لکھائی سے بھی فرق ہو سکتا ہے کہ الف پر سکون بنا ہوا نہیں ہوتا اور ہمزہ اگر ساکن ہو تو اس پر سکون اور اگر متحرک ہو تو اس پر زبر زیر پیش لکھا ہوا ہوتا ہے -

اور یاؔ لین اور یاؔ متحرک کا مخرج آگے ساتویں مخرج کے بیان[1] میں آوے گا۔

مخرج ۲۔ اقصیٰ حلق یعنی حلق کا پچھلا حصہ سینہ کی طرف والا۔ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں ہمزہ اور ہ

مخرج ۳۔ وسط حلق یعنی حلق کا درمیان والا حصہ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں ع اور ح بے نقطہ والے

مخرج ۴۔ ادنیٰ حلق یعنی حلق کا وہ حصّہ جو منہ کی طرف والا ہے اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں غ اور خ نقطہ والے

اور ان چھ حرفوں کو حروفِ حلقی کہتے ہیں

مخرج ۵۔ لہات[2] یعنی کوے کے متصل زبان کی جڑ جب کہ اوپر کے تالو سے ٹکر کھاوے اس سے ق ادا ہوتا ہے۔

مخرج ۶۔ ق کے مخرج کے متصل ہی منہ کی جانب ذرا نیچے ہٹ[3] کر اور اس سے ک ادا ہوتا ہے اور ان دونوں حرفوں کو لہاتیہ کہتے ہیں۔

مخرج ۷۔ وسط زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے اور اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں ج ش یؔ جب کہ مدہ نہ ہو یعنی یائے متحرک اور یائے لین اور مدہ اور لین کے معنی مخرج (۱) کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں اور انکو حروفِ شجریہ[4] کہتے ہیں۔ (ف) آگے جو مخارج آتے ہیں ان میں بعضے دانتوں کے نام عربی میں آویں گے اس لیے پہلے ان کے معنی بتلائے دیتا ہوں ان کو خوب یاد کرلیں تاکہ آگے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

---

[1] واؤ اور یاء کی تین تین حالتیں ہوئیں متحرک وَ وِ وُ ، یَ یِ یُ ، لین یعنی ساکن ماقبل مفتوح جیسے اَوْ بَوْ تَوْ ثَوْ یَوْ وغیرہ اور اَیْ بَیْ تَیْ ثَیْ غَیْ وغیرہ اور واؤ مدہ یعنی واؤ ساکن ماقبل مضموم جیسے اُوْ بُوْ تُوْ ثُوْ وغیرہ اور یاء ساکن ماقبل مکسور جیسے اِیْ بِیْ تِیْ ثِیْ جِیْ وغیرہ۔ واؤ اور یاء کی تین تین حالتیں ہوئیں مگر ہر ایک کے مخرج دو دو ہی ہیں مدہ ہونے کی حالت میں مخرج جوف دہن بتایا گیا ہے متحرک اور لین ہونے کی حالت میں دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ایک ایک مخرج آگے بیان میں آتا ہے۔ [2] لہات لام کے زبر کے ساتھ۔ یہ وہ نرم سا بغیر ہڈی کے گوشت ہے جو ہڈی دار تالو کے آخر میں زبان کی جڑ پر لٹکا ہوا ہے اُردو میں اسی کو کوا کہتے ہیں [3] ق اور ک کا مخرج اس طرح یاد کرلیں۔ زبان کی جڑ اور اوپر کا تالو اس سے قاف ادا ہوتا ہے اور قاف کے مخرج سے ذرا ہٹ کر منہ کی طرف، زبان کی جڑ اور اوپر کے تالو سے کاف ادا ہوتا ہے۔

[4] شَجَرِیَہ۔ شین کے زبر اور جیم کے سکون سے بولنا چاہیے۔ وسط زبان اور تالو کے درمیان کشادہ حصّہ کو عربی میں شجر کہتے ہیں اُردو میں اس کے ہم معنی کوئی لفظ نہیں۔ ع لخروجها من شجر الفم بسكون الجيم وهو منفتح ما بين اللحيين۔ حقيقة التجويد۔ منہ

جاننا چاہیے کہ بتیس دانتوں میں سے سامنے کے چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں، دو اُوپر والوں کو ثنایا علیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سفلیٰ کہتے ہیں اور ان ثنایا کے پہلو میں چار دانت جو ان سے ملے ہوئے ہیں ان کو رَباعیات[1] اور قواطع بھی کہتے ہیں، پھر ان رباعیات سے ملے ہوئے چار دانت نوکدار ہیں ان کو انیاب اور کواسر کہتے ہیں پھر ان انیاب کے پاس چار دانت ہوتے ہیں ان کو ضَواحک کہتے ہیں پھر ان ضواحک کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں یعنی تین اوپر داہنی طرف اور تین اوپر بائیں طرف اور تین نیچے داہنی طرف اور تین نیچے بائیں طرف ان کو طَواحن کہتے ہیں پھر ان طواحن کے بغل میں بالکل آخیر میں ہر جانب ایک ایک دانت اور ہوتا ہے جن کو نواجذ کہتے ہیں اور ان سب ضَواحک، طَواحن اور نواجذ کو اضراس[2] کہتے ہیں۔ جن کو اردو میں ڈاڑھ کہتے ہیں۔ یاد کی آسانی کے لیے کسی نے ان سب ناموں[3] کو نظم کر دیا ہے اور وہ نظم یہ ہے۔

ہے تعداد دانتوں کی کل تیس[3] اور دو[2] — ثنایا ہیں چار اور رَباعی ہیں دو[2] دو[2]
ہیں انیاب چار اور باقی رہے بیس — کہ کہتے ہیں قُرّاء اضراس انہیں کو
ضَواحک ہیں چار اور طواحن ہیں بارہ — نواجذ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

---

[1] رباعیات۔ رار کے زبر کے ساتھ بولنا چاہیے پیش کے ساتھ بولنا صحیح نہیں۔

[2] اضراس۔ ہمزہ پر زبر ہے اور ضاد ساکن ہے، ضرس (بکسر ضاد) بمعنی داڑھ کی جمع ہے

[3] بتیس دانتوں کے کل چھ نام ہوئے۔ ثنایا، رَباعیات، انیاب، ضواحک، طواحن، نواجذ، ان میں سے سوائے طواحن کے سب چار چار ہیں اور طواحن بارہ ہیں۔ پہلے تین نام دانتوں کے اور باقی تین ڈاڑھوں کے ہیں۔

مخرج ۸ ۔ ضٓ[1] اور وہ حافہ[2] لسان یعنی زبان کی کروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ سے لگاویں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اسلیے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے ۔ اس حرف کو دال پُر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آجکل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے یہ بالکل غلط ہے ۔ اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ[3] مشابہ ہوتی ہے دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی ۔ علم تجوید اور قرارت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے ۔

---

[1] حافۂ لسان ، زبان کے خاص اس کنارے کو کہتے ہیں جو زبان کی دائیں یا بائیں طرف گالوں کے اندر ہوتا ہے ، حضرت مؤلف رحؒ نے اسی کو زبان کی کروٹ سے تعبیر کیا ہے اور زبان کا جو سامنے والا کنارا ہے جو سامنے والے دانتوں سے لگتا ہے وہ طرفِ لسان یعنی زبان کا کنارا کہلاتا ہے ۔ ضاد کے مخرج میں اس طرفِ لسان کو کوئی دخل نہیں ہے ، لیکن چونکہ عملاً زبان کے اس کنارے کو تالو پر لگانا بمقابلہ حافۂ لسان کو داڑھوں پر لگانے کے آسان ہے ۔ اس لیے عموماً لوگ طرفِ لسان اور تالو ہی سے ضاد کو ادا کر لیتے ہیں ۔

پھر بد قسمتی سے اس حرف ضاد کی صحیح ادا میں کوشش کی بجائے اس کی مختلف مزعومہ آوازوں کو یاروں نے اپنی جماعت کا شعار (علامۃ القوم) بنا لیا ہے ۔ کوئی خالص دال کوئی دالِ مفخم اور کوئی زاء تو کوئی ظاء پڑھ کر اپنی اور اپنی جماعت کی فتح مبین قرار دیتا ہے ۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض علاقوں کے لوگ ضاد کی جگہ لام بھی پڑھتے ہیں ، اور اب تو کہیں ڈال بھی سنتے ہیں اور کہیں غین اور دال کا مرکب پڑھا جاتا ہے یعنی ولاَ غدَالِّین غرض گمراہی کے بہت راستے ہیں لیکن حق ایک ہی ہوتا ہے ، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی تعصب سے ہٹ کر مشاق قاری سے اس حرف کی خوب مشق کرے اور اپنی فہم یا تحقیق پر ہرگز اعتماد نہ کرے ۔

[2] حافۂ لسان اور ڈاڑھیں ضاد کا مخرج ہیں رخاوت یعنی نرمی سے ادا ہونا چاہیے ۔ دال کی طرح شدت یعنی سختی نہ ہو مشدد یا ساکن ہونے کی حالت میں اس بات کا صاف پتہ لگ سکتا ہے کہ نرمی سے ادائیگی ہوتی یا سختی سے نرم ادائیگی کی پہچان یہ ہے کہ آواز جاری ہوگی اور یہی صحیح ہے ۔ اور ایسی سخت ادائیگی کہ دال کی طرح آواز بند ہو جائے غلط ہے ۔ لیکن ضاد کو ظاء کے مخرج سے ہرگز ادا نہ کیا جائے ورنہ تبدیل حرف بحرف ہو کر لحن جلی ہو جائے گی ، جیسا کہ دال وغیرہ پڑھنا بھی لحن جلی ہے مزید کچھ وضاحت صفت استطالت کے ذیل میں آتی ہے ۔

مخرج ۹ - لام کا ہے کہ زبان کا کنارہ مع کچھ حصّہ[1] حافہ حب ثنایا اور رباعی اور ناب اور ضاحک کے مسوڑھوں سے کسی قدر مائل تالو کی طرف ہو کر ٹکر کھاوے خواہ داہنی طرف سے یا بائیں طرف سے اور داہنی طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے۔

مخرج ۱۰ - نون کا ہے اور وہ بھی زبان کا کنارہ ہے مگر لام کے مخرج سے کم ہو کر یعنی ضاحک کو اس میں دخل نہیں۔

مخرج ۱۱ - را کا ہے اور وہ نون کے مخرج کے قریب ہے مگر اس میں پشت زبان کو بھی دخل ہے ان تینوں حرفوں کو یعنی لام اور نون اور را کو طرفیہ[2] اور ذلقیہ[3] بھی کہتے ہیں۔

مخرج ۱۲ - طا اور دال اور تا کا ہے یعنی زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ اور ان تینوں حرفوں کو نطعیہ[4] کہتے ہیں۔

---

۱ - اسی کو اصطلاح میں ادنیٰ حافہ بھی کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں حافہ صرف وہ حصہ ہے۔ جو اضراس سے لگے۔ گو بعض مصنفین نے توسّعاً یا مجاز لغوی کے طور پر حافہ کے مفہوم میں دائیں بائیں زبان کی پوری کروٹ والے حصہ کو حافہ کہاہے۔ مگر مصنف جمال القرآن وغیرہ کے بیان میں غور کرنا چاہیے۔ (الف) ض کے مخرج میں فرمایا کہ وہ حافہ لسان اور اضراس علیا ہے۔ (ب) صفتِ استطالت میں فرماتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں شروع مخرج سے آخر تک یعنی حافہٴ زبان کے شروع سے حافہٴ زبان کے آخر تک آواز کو امتداد رہتاہے۔ (ج) حافہٴ زبان کا آخر وہ حصہ ہوا جو آخری داڑھ یعنی ضاحک سے لگے۔ کیونکہ اضراس ضاحک پر ختم ہو جاتی ہیں لہٰذا حافہ بھی ضاحک کے مقابل تک ختم ہو جانا چاہیے ورنہ صفت استطالت کی تعریف میں شروع مخرج سے آخر تک کا مطلب بتلانا کہ حافہ زبان کے شروع سے حافہ زبان کے آخر تک" بے معنی بات ہو جائے گی۔ اور جب یہ طے ہو گیا کہ حافہ صرف اضراس کے مقابل کا نام ہے تو لامحالہ ثنایا، رباعی، انیاب کا مقابل طرف لسان یعنی زبان کا کنارہ ہو جاتاہے۔ **نوٹ** - واضح ہو کہ علامہ جزری کا کلام ؏ وَاللَّامُ اَدْنَاهَا لِمُنْتَهَاهَا میں اَدْنَاهَا کی ضمیر کا مرجع حافہ اور مُنْتَهَاهَا کی ضمیر کا مرجع لسان ہے۔ (وَاللِّسَانَ تُذَكَّرُ وَتُؤَنَّثُ) علامہ شاطبی فرماتے ہیں ؏ وحرفٌ بِاَدْنَاهَا اِلٰی مُنْتَهَاهُ یعنی ایک حرف (لام) ادنیٰ حافہ سے منتہائے لسان تک ہے۔ حافہ کا وہ حصہ جو کل اضراس کے مقابل ہے اگر اقصیٰ حافہ ہے تو ضاحک کے مقابل حافہ کا نام ادنیٰ حافہ کیوں ہے؟ کیا ضاحک اضراس میں داخل نہیں؟ اور اگر رباعی انیاب کے مقابل کنارۂ زبان، ادنیٰ حافہ ہے تو پھر نون کا مخرج اگر اس طرح کہا جائے تو کیا حرج کی بات ہے کہ "نوک زبان اور ادنیٰ حافہ" حالانکہ فن کی کسی بھی کتاب میں نون کا مخرج ادنیٰ حافہ نہیں کہا گیا ہے بلکہ تمام کتابوں میں طرفِ لسان ہی ہے۔ ۲ - ذلق بفتحتین طرف زبان ہی کو کہا جاتاہے۔ ۳ - نطع بکسر نون وفتح طاء تالو کی سلوٹوں یا شکنوں کو کہتے ہیں۔ اُردو میں اس کے ہم معنی کوئی لفظ نہیں بہر حال قرب کی وجہ سے ان حرفوں کو نطعیہ کہا گیا۔ ع - لخروجها من ذلق اللسان (بفتحتین طرف زبان۔ م) ای طرفه حقیقة التجوید منه۔ ۱ - لخروجها من نطع الغار من الحنك الاعلى اى سقفه۔ حقیقۃ التجوید ودرۃ الفرید منہ۔

مخرج ۱۳۔ ظاؔ اور ذاؔل اور ثاؔ کا ہے اور وہ زبان کی نوک اور ثنایا عُلیا کا سرا ہے اور ان تینوں حرفوں کو لثویہ[1] کہتے ہیں۔

مخرج ۱۴۔ صاد اور زاؔ اور سین کا ہے اور یہ زبان کا سرا اور ثنایا سفلیٰ کا کنارا مع کچھ اتّصال[2] ثنایا علیا کے ہے اور ان کو حروف صفیر کہتے ہیں

مخرج ۱۵۔ فاؔ کا ہے اور یہ نیچے کے ہونٹ کا شکم[3] اور ثنایا علیا کا کنارہ ہے۔

مخرج ۱۶۔ دونوں ہونٹ ہیں اور ان سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں باؔ، اور میم اور واؤ جبکہ مدّہ نہ ہو، یعنی واؤ متحرک اور واؤ لین[4] اور مدّہ اور لین کے معنی مخرج ۳ کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں مگر ان تینوں میں اتنا فرق ہے کہ باؔ، ہونٹوں کی تری سے نکلتی ہے اور اس لیے اس کو بحری کہتے ہیں اور میم ہونٹوں کی خشکی سے نکلتی ہے اور اس لیے اس کو برّی کہتے ہیں اور واؤ دونوں ہونٹوں کے ناتمام ملنے[5] سے نکلتا ہے۔ فاؔ اور اِن تینوں حرفوں کو شَفویہ کہتے ہیں

مخرج ۱۷۔ خیشوم یعنی ناک کا بانسہ[6] ہے اس سے غنّہ[7] نکلتا ہے غنہ کا بیان آگے نویں دسویں لمعہ میں نون اور میم کے قاعدوں میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے گا۔ اور جاننا چاہیے کہ ہر حرف کا مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس حرف کو ساکن کر کے اس سے پہلے ہمزہ متحرک لے آوے جس جگہ آواز ختم ہو وہی اس کا مخرج ہے۔

---

۱ لِثَۃ بکسر لام و فتح ثاء بمعنی مسوڑھے۔ قرب کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے

۲ یعنی ثنایا علیا اور ثنایا سفلیٰ کے کناروں کا اتصال ہوتا ہے اور اسی سے صفیر یعنی سیٹی پیدا ہوتی ہے۔

۳ یعنی نیچے کے ہونٹ کا باطن جو ہونٹوں کے بند ہونے کے وقت اندر چھپ جاتا ہے۔

۴ واؤ کی تین حالتیں اور دو مخرج ہوئے اُو کی واؤ مدّہ ہے اس کا مخرج جوفِ دہن ہے اور اَو کی واؤ لین ہے اسی طرح وَ وِ وُ واؤ متحرک ہے اور واؤ لین اور واؤ متحرک دونوں کا مخرج یہاں بیان ہوا ہے۔

۵ مختصر بات اس طرح یاد کر لی جائے تو اچھا ہے کہ واؤ لین اور متحرک کا مخرج انضمامِ شفتین اور باؔ میم کا مخرج اطباقِ شفتین ہے۔

۶ یعنی ناک کی جڑ میں ہڈی والا حصہ۔

۷ غنہ خیشوم سے نکلنے والی گنگنی آواز کو کہتے ہیں، یہ کوئی حرف نہیں بلکہ نون۔ میم میں پائی جانے والی حالت کا نام ہے۔ مگر یہ ایک ایسی حالت ہے کہ اس میں حرف کی سی مستقل شان پائی جاتی ہے۔ کسی حرف کے بغیر اگر ناک سے خالی گنگناہٹ کی آواز پیدا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس آواز کے مخرج کو مخارج میں مستقل طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ پائے جانے میں گنگناہٹ کا مستقل کوئی وجود ہے اور نہ یہ حالت نون و میم کے سوا کسی حرف میں پائی جاتی ہے۔

پانچواں لمعہ

جن کیفیتوں سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کیفیتوں کو صفات[۱] کہتے ہیں اور وہ دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی[۲] نہ رہے گا ایسی صفت کو ذاتیہ اور لازمہ[۳] اور ممیزہ اور مقومہ کہتے ہیں اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف تو وہی رہے مگر اس کا حسن وزینت[۴] نہ رہے اور ایسی صفت کو محسنہ مزینہ محلیہ عارضیہ[۵] کہتے ہیں، پہلی قسم کی صفات سترہ ہیں۔

(۱) ہمس، اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مہموسہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی[۶] ہو اور ایسے حرف دس[۱۰] ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَحَثَّهُ شَخْصٌ[ع] سَكَتَ۔

(۲) جہر، اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مجہورہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس کا جاری رہنا بند ہو جاوے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی[۷] ہو اور مہموسہ کے سوا باقی سب حروف مجہورہ ہیں اور جہر و ہمس دونوں صفتیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

---

[۱] یعنی مخرج سے پیدا ہوتے وقت حرف کی آواز میں جو کیفیت یا حالت ہونی چاہیے اس کو صفت کہا جاتا ہے۔

[۲] صفت لازمہ کی تعریف۔ وہ صفت جو حرف میں ہمیشہ پائی جائے اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف حرف نہ رہے یا ناقص ادا ہو۔

[۳] زیادہ تر صفت لازمہ ہی بولتے ہیں [۴] صفتِ عارضہ کی تعریف۔ وہ صفت جو حرف میں کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ اگر وہ نہ پائی جاوے تو حرف تو وہی رہے مگر اس کا حسن وزینت نہ رہے۔ [۵] زیادہ تر صفتِ عارضہ ہی بولتے ہیں۔

[۶] صفت ہمس کی اصل تعریف بس اسی قدر ہے کہ مخرج میں آواز ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز میں پستی ہو۔ یہ مفہوم لغت کی مدد سے خود لفظ ہمس سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور "سانس جاری رہ سکنا" تعریف میں داخل نہ سمجھنا چاہیے بلکہ علامت ہے کہ مہموسہ حرف کو ساکن ادا کریں مثلاً اَثْ تو پست آواز کے ساتھ سانس کی بو نکلتی ہے۔ کیونکہ سانس کچھ آواز بنتا ہے اور کچھ اپنی تنفسی حالت پر قائم رہتا ہے۔ [۷] جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں، تعریف صرف اس قدر ہے کہ مخرج میں آواز ایسی قوت سے ٹھہرے کہ آواز میں بلندی ہو اور "سانس جاری رہنا بند ہو جائے" تعریف سے خارج ہے جو محض علامت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجہورہ حرف کو ساکن ادا کریں مثلاً اِذْ تو اس میں تمام آواز بلند ہو گی کیونکہ تمام سانس آواز بن جاتا ہے۔

[ع] وجہ التسمیۃ بہ ان ہذہ الصفات فی الحروف تکون لخصوص المحل دون محل آخر۔ منہ۔ [ع] ترجمہ اش این است پس ترغیب داد او را شخصیکہ ساکت شد۔ منہ

(۳) شدّت[1]، جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے اُن کو شدیدہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز بند ہو جاوے اور آواز میں ایک قسم کی سختی[1] ہو اور ایسے حرف آٹھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے أَجِدُكَ قَطَبْتَ

(۴) رخوت[1]، اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو رخوہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز جاری[3] رہے اور آواز میں ایک قسم کی نرمی ہو اور شدیدہ اور متوسطہ کے سوا باقی سب حروف رخوہ ہیں اور متوسطہ کا بیان ابھی آتا ہے اور ہمس اور جہر کی طرح شدت اور رخوت بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان دونوں صفتوں کے درمیان ایک صفت اور ہے

توسّط، اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو متوسطہ اور بینیّہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ آواز اس میں نہ تو پوری طرح بند ہو اور نہ پوری طرح جاری[4] ہو (حقیقۃ التجوید) اور ایسے حرف پانچ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے لِنْ عُمَرْ[5] اور اس توسط کو الگ صفت نہیں گنا جاتا کیونکہ اس میں کچھ شدت کچھ رخوت ہے پس یہ ان دونوں سے الگ نہ ہوئی۔

اور اس مقام پر ایک شبہ ہے وہ یہ کہ حرف تاء اور کاف کو مہموسہ میں سے بھی شمار کیا ہے حالانکہ ان میں آواز بند ہو جاتی ہے

---

۱ شدت کے معنی سختی اور مضبوطی کے ہیں یعنی مخرج میں ایسی سختی کے ساتھ آواز ٹھہرے کہ اگر ساکن حالت میں حرف کی آواز کو جاری رکھنا چاہیں تو یہ ممکن نہ ہو۔ پس اصل تعریف یہ ہوئی کہ حرف مضبوطی اور سختی کے ساتھ ادا ہو اور ساکن حالت میں آواز کا بند ہونا یہ اس کی پہچان ہوئی مثلاً اَتْ

۲ رخوت بکسر راء نرم ہونا۔ ومنہ قولہٗ تعالیٰ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً

۳ گویا تعریف یہ ہوئی کہ مخرج میں آواز ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز میں نرمی ہو اور نرمی کی پہچان یہ ہے کہ حالت سکون میں حرف رخوہ کی آواز کو جاری رکھ سکتے ہیں مثلاً اَسْ

۴ یعنی نہ شدیدہ کی طرح سختی ہو اور نہ رخوہ کی طرح نرمی ہو بلکہ دونوں کے درمیانی حالت ہو گویا شدت ناقصہ اور رخاوت ناقصہ پائی گئی۔

۵ ترجمہ شس این است می یابم ترا کہ ترش روئی۔ منہ ۱۲۔ ع ترجمہ اش این است نرم شو اے عمر۔ منہ ۱۲

اور اسی واسطے ان کو شدیدہ میں شمار کیا گیا ہے[۱] اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حرف میں ہمس ضعیف ہے اور شدت قوی ہے سو شدت[ع] کے قوی ہونے سے تو آواز بند ہو جاتی ہے لیکن کسی قدر ہمس ہونے سے بعد[۲] بند ہونے کے کچھ تھوڑا سا سانس بھی جاری ہوتا ہے مگر اس سانس کے جاری ہونے میں یہ احتیاط رکھنی چاہیے کہ آواز جاری[۳] نہ ہو کیونکہ اگر آواز جاری کی جاوے گی تو کاف وتار شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جاویں گے اور دوسرے اس میں ہا کی آواز پیدا ہو کر غلط ہو جاوے گا۔

(۵) استعلاء، اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مستعلیہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت ہمیشہ جڑ زبان کی اوپر کے تالو کی طرف اٹھ جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ حروف موٹے ہو جاتے ہیں اور ایسے حروف سات ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ

---

[۱] یہ اعتراض اس مفروضہ پر کیا جا رہا ہے کہ آواز اور سانس ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ کاف وتار میں شدت کی وجہ سے آواز بند ہوتی ہے تو ہمس کی وجہ سے سانس کیوں جاری رہے گا۔ سانس بھی بند ہونا چاہیے اور اس طرح یہ دونوں حرف مجہورہ میں شمار ہونے چاہییں نہ کہ مہموسہ میں جیسا کہ کاف وتار کے علاوہ باقی چھ حروفِ شدیدہ بھی مجہورہ ہی ہیں۔ یہ اعتراض کی توضیح ہوئی۔

[۲] کاف وتار میں سکون کے وقت آواز بند ہوتی ہے اس طرح کہ کاف میں زبان کی جڑ تالو پر مضبوطی سے لگتی ہے اور تار میں نوکِ زبان ثنایا علیا کی جڑ پر مضبوطی سے لگتی ہے اور آواز بند ہو کر جب جڑ یا نوک علحدہ ہوں گی تو سانس معمولی سا خود جاری ہو جائے گا اور یہی ہمس ہے۔ یہ تحقیقی جواب ہے۔ اور اسی اعتراض کا دوسرا منعی جواب اس طرح ہو سکتا ہے کہ صفت شدت اور ہمس میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے۔ آواز مسموع[ع] ہوتی ہے سانس مسموع نہیں ہوتا آواز بند ہونے کو سانس کا بند ہونا لازم ہی نہیں بلکہ دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اگر کوئی شخص خاموش ہو یعنی اس کی آواز بند ہو تو کیا اس کا سانس بھی بند ہونی ضروری ہے؟ [۳] کیونکہ سانس میں آواز نہیں ہوتی اگر یہ سانس دوسرے کو بھی سنائی دے تو سانس اپنی اصلی کیفیت پر نہ رہا بلکہ آواز ہو گیا تو پھر اس ہمس کو سنانے کی کوشش کیوں کی جائے؟ کہ اِیَّاکَ کو اِیَّاکَہْ اور اَنْعَمْتَ کو اَنْعَمْتَہْ پڑھا جائے۔

[ع] فی جہد المقل واما الشدید المہموس حرفان الکاف والتاء فیشد صوتہما بالکلیۃ بل نفسہا ایضاً لان حقیقۃ الصوت ہی النفس ثم ینفتح مخرجاہما ویجری فیہما نفس کثیر مع صوتٍ ضعیف لیحصل الہمس وفیہ الشدۃ فی آن والہمس فی زمان آخر۔ وزاد فی حقیقۃ التجوید فالہمس فی زمان بعد آن اھ وفیہما وہذا باب یتحیر فیہ الالباب ۱۵۰ منہ

(۶) استفال۔ اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مستفلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہیں اٹھتی جس کی وجہ سے یہ حروف باریک رہتے ہیں اور مستعلیہ کے سوا باقی سب حروف مستفلہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں استعلاء اور استفال بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۷) اطباقؔ، اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے اُن کو مطبقہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے مُلصَق ہو جاتا ہے یعنی لپٹ جاتا ہے اور ایسے حروف چار ہیں۔ ص ض ط ظ

(۸) انفتاح، اور جن حروف میں یہ صفت ہو ان کو منفتحہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے جدا رہتا ہے خواہ زبان کی جڑ تالو سے لگ جاوے جیسے قاف میں لگ جاتی ہے خواہ نہ لگے (جہد المقل مع الشرح) اور مطبقہ کے سوا سب حروف منفتحہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں اطباق و انفتاح بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں

(۹) اذلاق، اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مذلقہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارہ سے بہت سہولت کے ساتھ جلدی سے ادا ہوتے ہیں اور ایسے حروف چھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَرَّ مِنْ لُبٍّ یعنی ان میں جو حروف شفویہ ہیں وہ ہونٹ کے کنارہ سے ادا ہوتے ہیں اور شفویہ کا مطلب مخرج نمبر (۱۶) میں گزرا ہے اور جو شفویہ نہیں وہ زبان کے کنارہ سے ادا ہوتے ہیں (درۃ الفرید للشیخ الدہلوی)

(۱۰) اصمات، اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مصمتہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف

---

[۱] اطباق کے معنی عربی میں ڈھانپنے اور بند کرنے کے ہیں یعنی حروفِ مطبقہ کی ادائیگی کے وقت زبان تالو کے غار کو ڈھانپ دیتی ہے جس سے یہ حروف خوب مفخم یعنی پر ہو جاتے ہیں۔ [۲] یعنی فا، میم با۔ [۳] یعنی بے تکلف روانی سے ادا ہونے ضروری ہیں۔ [۴] یعنی لام، نون، را۔

اہل زبان نے حروفِ مذلقہ کے چھ حرفوں کو ادا میں آسان یعنی زبان و لب پر سہل الادا، اور اخف الحروف قرار دیا ہے، اسی واسطے عربی لفظوں میں بکثرت ان حرفوں کا امتزاج ہوتا ہے ورنہ اہل زبان کے نزدیک وہ کلمہ ثقیل شمار ہوتا ہے۔ یہ بات خالص سماعی اور توقیفی ہوئی۔ اس میں عقل کو دخل نہیں (نہایۃ القول المفید)

[۵] اصمات سے بصیغۂ اسم مفعول۔ [ع] والذلق فی اللغۃ الطرف۔ منہ [ع] ترجمہ این است گریخت از عقل۔ منہ

[س] فی حقیقۃ التجوید، الاصمات لغۃ المنع مطلقاً واصطلاحاً امتناع الکلمۃ الرباعیۃ والخماسیۃ من غیر حرف من المذلقۃ فالعسجد عجمی اسم للذہب ولیس بعربی ۱۲ منہ

اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے اور مذلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں اذلاق و اصمات بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں ان دس صفات کو صفاتِ متضادہ کہتے ہیں کیونکہ ایک دوسرے کی ضد[1] یعنی مقابل ہے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا ہے آگے جو صفات آتی ہیں وہ غیر متضادہ کہلاتی ہیں اور جاننا چاہیے کہ صفات متضادہ سے تو کوئی حرف بچا ہوا نہیں رہتا بلکہ جتنے حروف ہیں ہر حرف پر مقابل صفتوں میں سے کوئی نہ کوئی صفت صادق آوے گی اور صفات غیر متضادہ بعض حروف میں ہوں گی بعض میں نہ ہوں گی اور وہ صفات غیر متضادہ یہ ہیں۔

(۱۱) صفیر۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو صفیریہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت ایک آواز تیز[2] مثل سیٹی کے نکلتی ہے اور ایسے حروف تین ہیں ص۔ ز۔ س

(۱۲) قلقلہ۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو حروفِ قلقلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ حالت سکون میں ان کے ادا کے وقت مخرج[3] کو حرکت ہو جاتی ہے اور ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ[4] ہے۔

---

[1] دس صفاتِ متضادہ سے ۲۹ حرفوں میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ صفات کا پایا جانا ضروری ہے یہ صفات گویا پانچ جوڑے ہیں کہ کوئی حرف ان سے خالی نہیں ہو سکتا، ہر جوڑہ میں سے ایک صفت ہوگی اور اس کی مقابل صفت نہ ہوگی۔ آگے آنے والی صفات غیر متضادہ ہیں ان میں سے کوئی کسی حرف میں مخصوص طور پر ہوگی اور کسی میں نہ ہوگی۔

[2] طرف لسان اور چاروں ثنایا کے اتصال سے حروف صفیر نکلتے ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، ان تینوں حرفوں کا قدرتی طور پر مخرج ہی کچھ اس طرح ہے کہ آواز مخرج میں محدود ہو کر سیٹی کی آواز سے مشابہ ہو جاتی ہے۔

[3] قاعدہ ہے کہ دو جسموں کے ٹکرانے سے مخرج میں حرف پیدا ہوتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق (حروفِ قلقلہ کے علاوہ) دیگر تمام حرفوں میں تو سکون حروف پر اس طرح ادا ہوتا ہے کہ دو جسموں کے تصادم سے پیدا ہو کر آواز ختم ہو جاتی ہے اور مخرج میں بھی کوئی جنبش نہیں ہوتی مگر حروفِ قلقلہ میں صرف یہی بات نہیں بلکہ مخرج میں آواز پیدا ہونے کے بعد مخرج میں ایک نئی تحریک پیدا کر کے دوبارہ آواز پیدا کرنی ہوتی ہے۔
حاصل یہ کہ چاہے کہو کہ مخرج کو حرکت ہو جاتی ہے اور چاہے یہ کہہ لو کہ آواز کو حرکت ہو جاتی ہے کیونکہ مضبوط التصاق کے بعد ایک دفعی انفکاک ہوتا ہے اور دوبارہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ قلقلہ کا مصداق یہی دوبارہ پیدا ہونے والی آواز ہے۔ بہر حال قلقلہ جہر و شدت دو قوی صفتوں کے اجتماع کی وجہ سے ہوتا ہے قلقلہ ایسی بلند آواز میں کرے کہ دوسرا بھی سن لے صرف اپنے کو سنانا ہی کافی نہیں۔ (نہایۃ القول صـ۵۲)۔

[4] یعنی مدار بزرگی۔ منہ

(۱۳) لین۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو حروفِ لین کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کو مخرج سے ایسی نرمی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ان پر مد کرنا چاہے تو کر سکے[1] اور ایسے حروف دو ہیں واو ساکن اور یائے ساکن جب کہ ان سے پہلے والے حرف پر فتحہ یعنی زبر ہو جیسے خَوْف صَیْف

(۱۴) انحراف۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو منحرفہ کہتے ہیں اور وہ دو حروف ہیں لام اور را اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت لام میں تو زبان کے کنارہ کی طرف اور را میں کچھ زبان کی پشت کی طرف اور کچھ لام کے موقع کی طرف میلان[2] پایا جاوے (درۃ الفرید)

(۱۵) تکریر۔ اور یہ صفت صرف را میں پائی جاتی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رعشہ یعنی لرزہ ہوتا ہے اس لیے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی ہے[3] اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جاوے بلکہ اس سے بچنا چاہیے اگرچہ اس پر تشدید بھی ہو کیونکہ وہ پھر بھی ایک ہی حرف ہے کئی حرف تو نہیں ہیں (درۃ الفرید ملخصاً)

(۱۶) تفشّی۔ اور یہ صفت صرف شین کی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں آواز منہ کے اندر پھیل جاتی ہے۔ (درۃ الفرید)

---

[1] یعنی حروف مدّہ کی آواز جوف دہن سے نکلتی ہے ان میں تو آواز کے دراز ہونے اور نرم ہونے کی بدرجہ اتم گنجائش موجود ہے لیکن حروفِ لین جن کا مخرج متعین و محقق ہے ان میں آواز کے دراز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا حالانکہ مدّ فرعی میں معلوم ہوگا کہ مد کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اُن میں محلِ مدّ حرفِ لین ہوتا ہے اور اس کو کھینچا جاتا ہے، اسی اشکال کو ختم کرنے کے لیے علمارِ تجوید نے حروف لین میں ایسی نرمی اور لچک کو تسلیم کیا کہ اُن پر مدّ ہو سکتا ہے، اسی نرمی کو صفتِ لین کہتے ہیں۔ حضرت مولف رحمہ اللہ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ "اگر کوئی ان پر مدّ کرنا چاہے تو کر سکے"

[2] لام و را میں صفتِ انحراف کا مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں میں اپنے مخرج سے متجاوز ہو کر ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے اور پھرنے کی حالت پائی جاتی ہے چنانچہ لام میں ادنیٰ حافہ سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر طرفِ لسان یعنی را کے مخرج کی طرف میلان ہوتا ہوا پایا جاتا ہے اور را میں کہ طرف لسان سے شروع ہوتی ہے اور پھر ظہر لسان اور قدرے لام کی طرف مائل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے تو تلا بچہ را کو لام بولتا ہے کہ اس سے اسی انحراف کی وجہ سے را لام میں تبدیل ہو جاتی ہے (نہایۃ القول ۱۴۵)۔ [3] صفت تکریر کی تعریف ہے "حرف کے تلفظ کے وقت زبان میں ارتعاش ہونا" اور یہ صفت صرف را میں پائی جاتی ہے۔ مگر اس صفت کو ایسی لطافت سے ادا کرے کہ را مکرر نہ ہو جائے اور یہ جب ہوتا ہے کہ اس صفت کو ظاہر کر کے پڑھنے کی کوشش کرے حالانکہ چھپا کر ادا کرنا چاہیے کیونکہ ارتعاش کو آواز سے کیا تعلق؟ خواہ مشدد ہی ہو جیسے کَـرَّۃٌ، مَـرَّۃً صفت اذلاق کا تقاضا بھی یہی ہے۔

(۱۷) استطالت[ع] ۔ اور یہ صفت حرف ضاد کی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں شروع مخرج سے آخر تک یعنی حافہ زبان کے شروع سے حافہ[ا] زبان کے آخر تک آواز کو امتداد رہتا ہے یعنی اس کا مخرج جتنا طویل ہے پورے مخرج میں آواز جاری رہنے سے آواز بھی طویل ہوجاتی ہے (جہد المقل)

(فائدہ[ا]) اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ سات صفت جو اخیر کی ہیں جن حروف میں یہ صفات نہ ہوں ان میں ان کی ضد ضرور ہوگی مثلاً ض میں استطالت ہے تو باقی سب حروف میں عدم استطالت ہوگی تو یہ دونوں ضد مل کر بھی سب کو شامل ہوگئیں ۔ پھر صفات متضادہ وغیر متضادہ میں کیا فرق رہا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے مگر صفات متضادہ میں ہر صفت کی ضد کا کچھ نہ کچھ نام[۲] بھی تھا اور ان دونوں ناموں میں سے ہر حرف پر کوئی نہ کوئی صادق آتا ہے اور چونکہ یہاں ضد کا نام نہیں اس لیے اس ضد کے صادق آنے کا اعتبار نہیں کیا گیا دونوں صفات میں یہ فرق ہوا ۔

(فائدہ ۲) محض مخارج وصفات حروف کے دیکھکر اپنے ادا کے صحیح ہونے کا یقین نہ کر بیٹھے اس میں ماہر مشاق استاد کی ضرورت ہے البتہ جب تک ایسا استاد میسر ہو بالکل کورا ہونے سے کتابوں ہی سے کام چلانا غنیمت ہے ۔

(فائدہ[۳]) اس لمعہ کے شروع میں صفت لازمہ ذاتیہ کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے یہ حرف نہ رہنا کئی طرح ہے ایک یہ کہ دوسرا[۴] حرف ہوجائے ایک یہ کہ رہے تو وہی مگر اس میں کچھ کمی اور نقصان آجاوے[۵] ایک یہ کہ

ا اس عبارت سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ حافہ کی ابتدا ناجذ کے مقابل سے ہوتی ہے اور یہ اقصیٰ حافہ ہے اور انتہا اس حصہ پر ہوتی ہے جو ضاحک کے مقابل ہے اور یہی ادنیٰ حافہ ہے جس سے لام کے مخرج کی ابتدا ہوتی ہے یعنی مخرج کی لمبائی کی وجہ سے آواز میں قدرے لمبائی ہوتی ہے ۔

ضاد اور ظا ر میں بڑا فرق تو مخرج سے ہے کہ دونوں کا مخرج جدا ہے دوسرا فرق اس صفت استطالت سے ہوتا ہے کہ یہ صرف ضاد میں ہے باقی تمام صفات متضادہ میں دونوں مشترک ہیں اور صفات کے اس اشتراک کے باعث ہی کہا گیا ہے کہ ضاد مشابہ بالظا رہے ۔ یہ تشابہ قائم کرنا اور عین ظار ہونے سے بچانا فن ادا کا ایک نازک مسئلہ ہے ، جس کے لیے مشاق اساتذہ سے استفادہ کرنا ضروری ہے ۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آواز کی لمبائی میں مبالغہ نہ کرے ، معمولی درازی ہے ، الف کی مقدار سے بھی کم !! ۔ ۲ے اور نام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عدم استطالت مثلاً کوئی مفہوم وجودی نہیں بلکہ سلبی ہے اور اشیاء کی تعریفیں حقائق ثابتہ اور نفس الامری مفہوم کے مقابلہ میں ہوتی ہیں اس لیے عدم استطالت نہ صفت مانی گئی اور نہ ہی کوئی نام تجویز کیا گیا ، ایسا کرنا شان علمی کے منافی ہے ۔ ۳ے مثلاً طار میں صفت استعلا و اطباق ادا نہ ہونے سے تا ہوجائے گی ۔ ۴ے مثلاً قلقلہ نہیں کیا یا شین میں تفشی ادا نہ ہوئی ۔ ۵ے دراز شدن کمانی م ۔ منہ

وہ کوئی عربی حرف نہ رہے کوئی حرف مخترع[1] ہو جاوے اور یہی حال ہے صحیح مخارج سے نہ نکالنے کا کہ کبھی دوسرا حرف ہو جاتا ہے کبھی اس حرف میں کچھ کمی ہو جاتی ہے کبھی بالکل ہی حرف مخترع بن جاتا ہے۔ چونکہ ایسی غلطی سے بعض دفعہ نماز جاتی رہتی ہے اس لیے اگر ایسی غلطی ہو جاوے تو خاص اس موقع سے اطلاع دے کر کسی معتبر عالم سے مسئلہ پوچھ لینا ضروری ہے اسی طرح زبر زیر یا گھٹاؤ بڑھاؤ کی غلطیوں کا یہی حکم ہے جس کی مثالیں دوسرے لمعہ میں مذکور ہیں ان کو بھی عالم سے پوچھ لیا کریں۔

(فائدہ ۴) حروف کے مخارج اور صفاتِ لازمہ میں کوتاہی ہونے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں فن تجوید کا اصلی مقصود انہی غلطیوں سے بچنا ہے اسی واسطے مخارج اور صفات کا بیان سب قاعدوں سے مقدم کیا گیا ہے اب آگے جو صفات محسّنہ[2] کے متعلق قاعدے آویں گے وہ اس مقصود مذکور سے دوسرے درجہ پر ہیں لیکن اب عام طور سے ان دوسرے درجہ کے قاعدوں کی رعایت اس اصلی مقصود سے زیادہ کی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان قاعدوں سے نغمہ خوشنما ہو جاتا ہے اور لوگ نغمہ ہی کا زیادہ خیال کرتے ہیں اور مخارج وصفات لازمہ کو نغمہ میں کوئی دخل نہیں اس لیے اس کی طرف توجہ کم کرتے ہیں۔

(فائدہ ۵) جس طرح یہ بے پروائی کی بات ہے کہ تجوید میں کوشش نہ کرے اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ تھوڑے سے قاعدے یاد کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر اور ان کی نماز کو فاسد جاننے لگے یا کسی کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھے۔ محقق عالموں نے عام مسلمانوں کے گنہگار ہونے کا اور ان کی نمازوں کے درست نہ ہونے کا حکم نہیں کیا اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا ان علماء کا کام ہے جو قرأت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے لمعہ میں دیکھ لو۔

چھٹا لمعہ

جاننا چاہیے کہ یہ صفات سب حرفوں میں نہیں ہوتیں۔ صرف آٹھ حرف[3] ہیں جن میں مختلف حالتوں میں مختلف صفات کی رعایت ہوتی ہے وہ حرف یہ ہیں ل۔ ر۔ م۔ مّ ساکن و مشدد و نونؔ ساکن و مشدد اور نون ساکن میں تنوین بھی داخل ہے کیونکہ وہ

---

[1] یعنی کوئی غیر عربی حرف ہو جاتے مثلاً دال ڈال سے بدل جاتے۔ ہم نے ملایا والوں میں اکثر اس کا مشاہدہ کیا۔ [2] محسّنہ یعنی حرفوں کو خوبصورت بنانے والی صفتیں محلیہ حرفوں کو زینت بخشنے والی صفتیں۔ مگر ان صفتوں کو زیادہ تر صفاتِ عارضہ بولتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ حرفوں میں ہمیشہ نہیں ہوتیں بلکہ کبھی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں اور اگر یہ ادا نہ ہو تو ان حروف کی ذات وحقیقت خراب نہیں ہوتی بلکہ خوبصورتی میں فرق آتا ہے۔ [3] لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فن تجوید میں صرف آٹھ ہی حرفوں میں صفاتِ عارضہ ہوتی ہیں چنانچہ فن کی کتابوں میں ادغام صغیر وکبیر کا ذکر بھی ہے جو صفت عارضہ ہی ہے۔ اور بہت حرفوں میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب میں کہ جو ابتدائی طلبہ کے لیے ہے اور مختصر ہے صرف آٹھ ہی حرفوں کی صفاتِ عارضہ کا ذکر ہوگا، جن کا مجموعہ اُذ یرملان ہے۔

اگرچہ لکھنے میں نون نہیں ہے مگر پڑھنے میں نون ہے جیسے ب پر اگر دو زبر پڑھو تو ایسا ہوگا جیسے[1] بَن پڑھو ا جس سے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے و ساکن جب کہ اس سے پہلے پیش یا زبر ہو ی ساکن جب کہ اس سے پہلے زیر یا زبر ہو۔ دیکھو لمعہ ۴ مخرج ۱۔ ہمزہ اور ہمزہ کی حقیقت مخرج اول میں بیان کی گئی ہے پھر دیکھ لو اور ان حرفوں میں جو ایسی صفات ہوتی ہیں ان میں بعض صفات تو خود اُستاد کے پڑھانے ہی سے[2] ادا ہوتی ہیں اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں مثلاً الف۔ واؤ اور یاء اور ہمزہ کا کہیں ثابت رہنا اور کہیں حذف ہو جانا صرف ان صفات کو بیان کیا جاتا ہے جو پڑھانے سے سمجھ میں نہیں آتیں خود ارادہ کرنا پڑتا ہے جیسے پُر پڑھنا اور باریک پڑھنا اور غنہ کرنا یا نہ کرنا اور مد کرنا یا نہ کرنا اب ان آٹھوں حرفوں کے قاعدے الگ الگ مذکور ہوتے ہیں۔

ساتواں لمعہ (لام کے قاعدوں میں)

لفظ اللہ کا جو لام ہے اس سے پہلے اگر زبر والا یا پیش والا حرف ہو تو اس لام کو پُر کر کے پڑھیں گے جیسے اَرَادَ اللّٰهُ۔ رَفَعَهُ اللّٰهُ اور اس[3] پُر کرنے کو تفخیم کہتے ہیں اور اگر اس سے پہلے زیر والا حرف ہو تو اس لام کو باریک پڑھیں گے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ اور اس باریک پڑھنے کو ترقیق کہتے ہیں اور لفظ اللہ کے سوا جتنے لام ہیں سب باریک پڑھے جاویں گے جیسے مَا وَلّٰىهُمْ اور كُلَّهُ

(تنبیہ) اَللّٰهُمَّ میں بھی یہی قاعدہ ہے جو اللہ میں ہے کیونکہ اس کے اوّل میں بھی یہی لفظ اللّٰه[4] ہے۔

آٹھواں لمعہ (راء کے قاعدوں میں)

(قاعدہ ۱) اگر راء پر زبر یا پیش ہو اس راء کو تفخیم سے یعنی پُر پڑھیں گے جیسے رَبُّكَ رُبَمَا اور اگر

---

[1] نون ساکنہ وہ نون ہے جو مرسوم ہو اور اس پر حرکت نہ پڑھی جائے۔ تنوین وہ نون ساکنہ ہے جو اسم کے آخر میں لاحق ہو اور مرسوم نہ ہو۔ نون ساکنہ و نون تنوین میں یہ فرق ہے (۱) نون ساکنہ وقف وصل دونوں حالتوں میں پڑھا جائیگا اور نون تنوین صرف وصل میں پڑھا جاتا ہے وقف میں نہیں (۲) نون ساکنہ مرسوم ہوتا ہے (سوائے وَلَيَكُوْنًا۔ (یوسف) اور لَنَسْفَعًا (علق) کے)، نون تنوین نہیں (سوائے لفظ كَاَيِّنْ کے، جہاں بھی ہو) (۳) نون ساکنہ کلمہ کے درمیان اور آخر ہر جگہ آسکتا ہے، تنوین ہمیشہ آخر کلمہ میں ہوتی ہے (۴) نون ساکنہ کلمہ کی تینوں قسموں (اسم فعل حرف) میں ہوتا ہے اور نون تنوین ہمیشہ آخر اسم میں ہوتا ہے۔

[2] مثلاً التقاء ساکنین کی وجہ سے پہلے ساکن حرف مد کو حذف کرنا جیسے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، یا کسرہ دے کر پڑھنا مثلاً قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ۔ وغیرہ

[3] تفخیم کے معنی پُر پڑھنے کے ہیں جس طرح حروف مستعلیہ اور مطبقہ میں ہونٹوں کو گول ہونے سے بچانا چاہیے اس طرح لام مفخم میں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہونٹ گول نہ ہوں اور لام اسم جلالہ میں تفخیم بھی کامل ہو۔ [4] پس سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور قَالُوا اللّٰهُمَّ میں لام پُر ہوگا اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ میں باریک ہوگا۔

را۔ پر زیر[1] ہو تو اس کو ترقیق سے یعنی باریک پڑھیں گے جیسے رِجَالٌ۔

(تنبیہ ۱) رامشددہ بھی ایک رار ہے پس خود اس کی حرکت کا اعتبار کر کے اس کو پُر یا باریک پڑھیں گے جیسے سِرًّا کی رار کو پر پڑھیں گے اور دُرِّیٌّ کی رار کو باریک اور اس کو اگلے قاعدہ ۲ میں داخل نہ کہیں گے جیسے بعضے ناواقف اس کو دو رار سمجھتے ہیں پہلی ساکن اور دوسری متحرک یہ غلطی ہے۔

(قاعدہ ۲) اور اگر رار[2] ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھو کہ اس پر کیا حرکت ہے اگر زبر یا پیش ہو تو اس رار کو پُر پڑھیں گے جیسے بَرْقٌ یُرْزَقُوْنَ اور اگر زیر[3] ہے تو اس رار کو باریک پڑھیں گے جیسے اَنْذِرْھُمْ لیکن ایسی رار کے باریک ہونے کی تین شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اصلی ہو عارضی نہ ہو کیونکہ اگر عارضی ہوگا تو پھر یہ رار باریک نہ ہوگی جیسے اِرْجِعُوْا دیکھو رار ساکن بھی ہے اور اس سے پہلے حرف یعنی ہمزہ پر زیر بھی ہے مگر چونکہ یہ زیر عارضی[4] ہے اس لیے اس رار کو پُر پڑھیں گے[عہ] لیکن بدون عربی پڑھے ہوئے اس کی پہچان نہیں ہو سکتی کہ کسرہ یعنی زیر اصلی کہاں ہے اور عارضی کہاں ہے جہاں جہاں شبہ ہو کسی عربی داں سے پوچھ کر اس قاعدے پر عمل کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اور یہ رار دونوں ایک کلمہ میں ہوں اگر دو کلموں[5] میں ہوں گے تو بھی رار باریک نہ ہوگی جیسے رَبِّ[6] ارْجِعُوْنِ اَمِ ارْتَابُوْٓا[7][سہ] (درۃ الفرید)

---

[1] رار مکسورہ بالاتفاق باریک ہوتی ہے خواہ کسرہ لازمہ ہو جیسے رِجَالٌ یا عارضہ جیسے وَاَنْذِرِ الَّذِیْنَ، کسرہ کاملہ ہو جیسا کہ مثالیں گزریں یا ناقصہ ہو جیسے وَالْفَجْرِ پر وقف بالروم کیا جائے یا جیسے مَجْرٖھَا میں رائِ مُمالہ ہے وسط میں ہو جیسے تُحَرِّمُ یا طرف میں جیسے وَالْقَمَرِ (بحالتِ وصل)، منونہ ہو جیسے مُقْتَدِرٍ یا غیر منونہ مثال گزر چکی ہے ماقبل ساکن ہو مثلاً اَلدَّارِ یا متحرک مثلاً اَرِنَا۔ عام اس سے کہ اس کے بعد حرف مستعلیہ واقع ہو مثلاً اَلرِّقَابِ یا مستفلہ مثلاً رِزْقًا مشدد ہو یا مخفف جیسا کہ امثلہ گزریں۔ (نہایۃ القول المفید) ص۹۰ [2] خواہ رار کا سکون اصلی ہو جیسے وَانْحَرْ یا عارضی جیسے وَدُسُرٍ اور مُنْھَمِرٍ پر سکون کے ساتھ وقف کریں تو رار پُر پڑھیں گے اگرچہ سکون عارضی ہے۔ [3] رار ساکن ماقبل مکسور باریک ہوتی ہے خواہ سکون اصلی ہو جیسے فَانْتَصِرْ یا عارضی بوجہ وقف کے ہو جیسے حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ [4] کیونکہ اِرْجِعُوْا میں ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ وصلی بذاتِ خود عارضی ہوتا ہے لہٰذا اس کی حرکت بھی عارضی ہوئی۔ [5] اس کو کسرہ منفصلہ کہتے ہیں [6] رَبِّ ارْجِعُوْنِ اور اَلَّذِی ارْتَضٰی میں اگرچہ کسرہ اصلی ہے مگر منفصل ہونے کی وجہ سے رار پُر ہوگی۔ [7] اَمِ ارْتَابُوْٓا اصل میں اَمْ ارْتَابُوْا ہے، رار ساکنہ کے ماقبل کسرہ منفصل بھی ہے اور عارضی بھی۔ [عہ] لدفع تعذر الابتداء بالسکون۔ منہ۔ [عہ] لان الاصل فی الراء التفخیم کما ان الاصل فی اللام الترقیق۔ منہ۔ [سہ] وکسرۃ المیم عارض ایضا لاجتماع الساکنین فیفخم ھذہ الرّاء لفقد الشرطین ھذا والاول۔ منہ۔

اور اس شرط کا پہچاننا بہ نسبت پہلی شرط کے آسان ہے کیونکہ کلموں کا ایک یا دو ہونا اکثر ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے۔
تیسری شرط یہ ہے کہ اس راء کے بعد اسی کلمہ میں حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف نہ ہو اگر ایسا ہو گا تو پھر راء کو پُر پڑھیں گے اور ایسے حروف سات ہیں جن کا بیان پانچویں لمعہ کے ۵ میں آچکا ہے جیسے قِرْطَاسٍ، اِرْصَادًا، لَبِالْمِرْصَادِ، فِرْقَةٍ ان سب میں راء کو پُر پڑھیں گے اور تمام قرآن میں اس قاعدہ کے یہی چار[1] لفظ پائے جاتے ہیں اور ویسے بھی اس کا پہچاننا آسان ہے۔

تنبیہ ۱ تیسری شرط کے موافق لفظ کُلُّ فِرْقٍ کی راء میں بھی تفخیم ہو گی لیکن چونکہ قاف پر بھی زیر[2] ہے اس لیے بعضے قاریوں کے نزدیک اس میں ترقیق ہے اور دونوں امر جائز ہیں۔

تنبیہ ۲ تیسری شرط میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی راء کے بعد اسی کلمہ میں حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو گا تو اس کو پُر پڑھیں گے تو اسی کلمہ کی قید اس لیے لگائی کہ دوسرے کلمہ میں حروف مستعلیہ کے ہونے کا اعتبار نہ کریں گے جیسے اَنْذِرْ قَوْمَكَ، فَاصْبِرْ صَبْرًا[3] اس میں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

(قاعدہ ۳) اور اگر راء ساکن سے پہلے والے حروف پر حرکت نہ ہو وہ بھی ساکن ہو اور ایسا حالت وقف میں ہوتا ہے جیسا ابھی مثالوں میں دیکھو گے تو پھر اس حرف سے پہلے والے حرف کو دیکھو اگر اس پر زبر یا پیش ہو تو راء کو پُر پڑھو جیسے لَیْلَةُ الْقَدْرْ، بِکُمُ الْعُسْرْ کہ ان میں راء بھی ساکن اور دال اور سین بھی ساکن اور قاف پر زبر اور عین پر پیش ہے، اس لیے ان دونوں کلموں کی راء کو پُر پڑھیں گے اور اگر اس پر زیر ہے تو راء کو باریک پڑھو جیسے ذِی الذِّكْرْ کہ راء بھی ساکن اور کاف بھی ساکن اور ذال پر زیر ہے اس لیے اس راء کو باریک پڑھیں گے۔

(تنبیہ ۱) لیکن اس راء ساکن سے پہلے جو حرف ساکن ہے اگر یہ حرف ساکن ی ہو تو پھر ی سے پہلے والے حرف کو مت دیکھو بس راء کو ہر حال میں باریک پڑھو خواہ ی سے پہلے کچھ ہی حرکت ہو جیسے خَیْرْ، قَدِیْرْ کہ ان دونوں میں

---

[1] البتہ مِرْصَاد دو جگہ ہے کَانَتْ مِرْصَادًا (سورۂ نبأ) اور لَبِالْمِرْصَادِ (والفجر) [2] اور ق حرف مستعلیہ ہے اور راء کی تفخیم کا سبب ہے مگر مکسور ہونے کی وجہ سے اس کی تفخیم ضعیف ہو گئی جیسا کہ بتلایا گیا ہے کہ کسرہ کی وجہ سے عارضی التفخیم حروف باریک ہو جاتے ہیں اور لازمی التفخیم حرفوں کی تفخیم میں ضعف آجاتا ہے۔ [3] اور وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ۔

کو باریک ہی پڑھیں گے۔

(تنبیہ ۲) اس قاعدہ نمبر ۲ کے موافق لفظ مِصْرَ اور عَیْنَ الْقِطْرِ پر جب وقف کیا جاوے تو را کو باریک ہونا چاہیئے مگر قاریوں نے ان دونوں لفظوں کی رار کو باریک[۱] اور پُر[۲] دونوں طرح پڑھا ہے اور اس لیے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ خود رار پر جو حرکت ہو اس کا اعتبار[۳] کیا جاوے پس مِصْرَ میں تفخیم اولیٰ ہے کہ رار پر زبر ہے اور الْقِطْرِ میں ترقیق اولیٰ ہے کہ رار پر زیر ہے۔

(تنبیہ ۳) اس قاعدہ نمبر ۳ کی بنا پر سورۂ والفجر میں اِذَا یَسْرِ پر جب وقف ہو اس کی رار مفخم ہونا چاہیئے لیکن بعضے قاریوں نے اس کے[۴] باریک پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے مگر یہ روایت ضعیف[۵] ہے اس لیے اس رار کو قاعدۂ مذکورہ کے موافق پُر ہی پڑھنا چاہیئے۔

---

[۱] علامہ ابوعمرو دانی اور جمہور کا یہی مذہب ہے (نشر ص ۱۰۶ ج ۲) [۲] امام ابوعبداللہ بن شُریح وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ (نشر) [۳] علامہ جزریؒ نے یہی اختیار کیا ہے۔ (نشر) [۴] حقیقت یہ ہے کہ فَاَسْرِ۔ اَنْ اَسْرِ۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ۔ وَنُذُرِ پانچوں کلمات میں اور اَلْجَوَارِ (شوریٰ۔ رحمن۔ کورت) دار پر وقف اگر بالاسکان کیا جائے تو رار میں تفخیم اور ترقیق دونوں جائز ہیں، یہ پانچوں کلمات اصل میں یار کے ساتھ ہیں۔ پہلے دو کلمے اصل میں اَسْرِیْ تھے آخر سے یائے مدّہ حالت بنائی کی وجہ سے حذف ہو گئی۔ یَسْرِ بھی اصل میں یَسْرِیْ ہے رعایت فواصل کی وجہ سے یار حذف ہوئی اسی طرح نُذُرِیْ میں یار اضافت رعایتِ فواصل کیلئے حذف ہوئی۔ رار پر سکون عارض ہونے اور ماقبل مفتوح یا مضموم ہونے کی وجہ سے تفخیم ہے اور کلمہ کی اصل پر دلالت کرنے کیلئے اور اس وجہ سے کہ آخر سے یار کا حذف عارضی ہے اور عارضی حذف کو معتبر نہ سمجھتے ہوئے بلکہ اس یار کو مثل باقی کے قرار دے کر رار کو باریک بھی پڑھا گیا ہے اور اَلْجَوَارِیْ کی یار متطرفہ بھی بقاعدہ قاضی حذف ہوئی ہے۔ علامہ جزریؒ ترقیق کو ترجیح دیتے ہیں، فرماتے ہیں وکذالک الحکم فی واللیل اذا یسر فی الوقف بالسکون علیٰ قراءۃ من حذف الیاء فحینئذٍ یکون الوقف علیہ بالترقیق اولیٰ۔ (نشر ص ۱۱۱ ج ۲) اور شیخ علی بن محمد ضباع شرح شاطبیہ میں فرماتے ہیں لکن یستحسن الترقیق فی اذا یسر ونذر علیٰ قراءۃ حذف الیاء فیھما للدلالۃ علی الیاء او للفرق بین کسرۃ الاعراب وکسرۃ البناء۔ (ارشاد المرید للضباع ص ۱۸۷ علیٰ حاشیۃ الابراز) صاحب غیث[۶] النفع اذا یسر میں اثبات و حذف یار کی دو قراءتوں کا اختلاف بتلا کر مختصر تفریع فرماتے ہیں کہ اثباتِ یار والوں کے یہاں را باریک اور حذف والوں کے یہاں پُر ہوگی لیکن کلام میں اختصار ہے، پیش نظر اختلاف قراءت بتانا ہے رار کی تفصیل میں وہ اثباتاً یا نفیاً جانا ہی نہیں چاہتے۔ والمفصل حُجَّۃٌ علی المجمل۔ بقیہ صفحہ ۲۷ پر دیکھو

[۵] لان اصلہ یسری فوقفوا الراء لیدل علی الیاء المحذوفۃ۔ منہ

(قاعدہ ۱۴) راء کے بعد[1] ایک جگہ قرآن مجید میں امالہ ہے تو راء کی اس حرکت کو زیر سمجھ کر راء کو باریک پڑھیں اور وہ جگہ یہ ہے بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖ۪ىهَا[ع] اس راء کو ایسا پڑھیں گے جیسا لفظ قطرے کی راء کو پڑھتے ہیں امالہ اسی کو کہتے ہیں جس کو فارسی والے یائے مجہول کہتے ہیں پس مَجۡرٖ۪ىهَا کی راء کو باریک[ع] پڑھیں گے

(قاعدہ ۱۵) جو راء وقف کے سبب ساکن ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس میں قاعدہ نمبر ۲ و نمبر ۳ کے موافق اس سے پہلے والے حرف کو اور کبھی اس سے پہلے والے حرف کو دیکھ کر اس راء کو باریک یا پُر پڑھنا چاہیئے تو اس میں اتنی بات اور سمجھو کہ یہ پہلے والے حرفوں کو دیکھنا اس وقت ہے جبکہ وقف میں اس راء کو بالکل ساکن پڑھا جاوے جیسا اکثر وقف کرنے کا عام طریقہ یہی ہے لیکن وقف کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں وہ حرف جس پر وقف کیا ہے بالکل ساکن نہیں کیا جاتا بلکہ اس پر جو حرکت ہو اس کو بھی بہت خفیف سا ادا کیا جاتا ہے اور اس کو روم کہتے ہیں اور یہ صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے اس کا مفصل بیان لمعہ تیرہ[۱۳] میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے گا سو یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ اگر ایسی راء پر روم کے ساتھ وقف کیا جاوے تو پھر پہلے والے حرف کو نہ دیکھیں گے بلکہ خود اُس راء پر جو حرکت ہوگی اس کے موافق پُر یا باریک پڑھیں گے جیسے وَالۡفَجۡرِ پر اگر اس طرح سے وقف کریں تو راء کو

حاشیہ ص۲۶ :- قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب پانی پتی فرماتے ہیں فَاَسۡرِ اور اَنۡ اَسۡرِ کو جو ائمہ ہمزہ قطعی مفتوحہ سے پڑھتے ہیں، ان کے لیے وقفاً بعض تفخیم کہتے ہیں اور بعض بلحاظ اصل ترقیق، چنانچہ طَيِّبَہ میں مذکور ہوا محقق (علامہ جزریؒ) کہتے ہیں "ترقیق اولیٰ ہے"، دانیؒ کی رائے میں تفخیم اولیٰ ہے اور یہی مذہب منصور ہے (سبعہ قراءات ص۲۴۴) مذکورہ عبارات سے ترقیقِ راء کا ضعیف ہونا مفہوم نہیں ہوتا ہے ان کلمات کی اصل کی طرف رجوع کرتے ہوئے اگر راء کی ترقیق کا جواز نکالا جائے تو کیا حرج ہے نیز تفصیل کے لیے دیکھو نہایۃ القول المفید ص۹۴ -

[1] یعنی راء کے بعد الف میں ایک جگہ امالہ ہے، امالہ کے معنی جھکانے کے ہیں یعنی الف کو یائے مدہ کی طرف جھکا کر پڑھنا۔

ع هو فی الاصل مجراها بالالف فامیلت - منہ رح

ع ولا ینظر الی انہ فی الاصل الف والراء مفتوحۃ دحکم هٰذِهِ الراءِ التفخیم - منہ رح

باریک پڑھیں اور مُنْتَصِرْ پر اگر اس طرح وقف کریں تو را کو پُر پڑھیں[1]

نواں لمعہ

(میم ساکن اور مُشدّد کے قاعدوں میں)

(قاعدہ ۱) میم اگر مشدّد ہو تو اُس میں غنّہ ضروری ہے اور غُنّہ کہتے ہیں ناک میں آواز لے جانے کو جیسے لَمَّا اور اس حالت میں اس کو حرفِ غُنّہ[2] کہتے ہیں۔

(فائدہ) غنّہ کی مقدار ایک الف[3] ہے اور الف کی مقدار دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی انگلی کو بند کرے یا بند انگلی کو کھول لے اور یہ محض ایک اندازہ[4] ہے باقی اصل دار و مدار استاد مشّاق سے سننے پر ہے۔

(قاعدہ ۲) میم اگر ساکن ہو تو اُس کے بعد دیکھنا چاہیئے کیا حرف ہے اگر اس کے بعد بھی میم ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی دونوں میمیں ایک ہو جاویں گی اور مثل ایک میم مشدّد کے اس میں غُنّہ ہوگا (حقیقۃ التّجوید) جیسے

---

[1] اس تمام قاعدہ کا خلاصہ یہ ہُوا کہ وقف بالرَّوم میں جو زیر اور پیش میں ہوتا ہے رائے مکسورہ موقوفہ بالرَّوم کو باریک اور رائے مضمومہ موقوفہ بالرَّوم کو پُر پڑھیں گے، جس طرح وصل میں راء مکسورہ باریک اور راء مضمومہ پُر ہوتی ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ رَوم میں را مثل وصل کے ہوتی ہے۔

[2] کیونکہ حروفِ غنّہ کی طرح میم مشدّد میں بھی غُنّہ کو ظاہر کرنا ضروری ہے (منہا مینہ المقول المفید)

[3] ۔ اسی لیے علمائے تجوید نے فرمایا ہے کہ مثل مدّ طبعی کے غنّہ دو حرکتوں کی مقدار سے نہ زیادہ ہونا چاہیئے اور نہ کم ۔ غنّہ کو ظاہر کرنے کے لیے کچھ تراخی اور زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن اس تراخی میں مبالغہ کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے (تمہید)

[4] اور نہایت ضروری ہے کہ میم مشدّد سے پہلے حرفِ مدّ پیدا نہ ہو جیسا کہ بعض لوگوں میں یہ تکلف پایا جاتا ہے کہ لَمَّا کو لَامَّا ، ثُمَّ کو ثُومَّ کہتے ہیں۔

اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ ط اور اِس[1] کو ادغام صغیر مثلین کہتے ہیں اور اگر میم ساکن کے بعد بار ہے تو وہاں غُنّہ کے ساتھ اخفار ہوگا اور اس اخفا کا مطلب[2] یہ ہے کہ اس میم کو ادا کرنے کے وقت دونوں ہونٹوں کے خشکی کے حصّہ کو بہت نرمی کے ساتھ ملا کر غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے بڑھا کر خیشوم سے ادا کیا جاوے اور پھر اس کے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کے تری کے حصّہ کو سختی کے ساتھ ملا کر بار کو ادا کیا جاوے (جہد المقل) جیسے وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور اس کو اخفار[3] شفوی کہتے ہیں اور اگر میم ساکن کے بعد میم اور بار کے سوا اور کوئی حرف ہو تو وہاں میم کا اظہار ہوگا یعنی اپنے مخرج سے بلا غنّہ ظاہر کی جاوے گی جیسے اَنْعَمْتَ اور اس کو اظہار شفوی کہتے ہیں۔

(تنبیہ) بعضے حفّاظ اس اخفار و اظہار میں بآء اور وآؤ اور فا کا ایک ہی قاعدہ سمجھتے ہیں اور اس قاعدہ کا نام بوف کا قاعدہ رکھا ہے یعنی بعضے تو تینوں میں اخفار کرتے ہیں اور بعضے تینوں میں اظہار کرتے ہیں اور بعضے اِن حرفوں کے پاس میم ساکن کو ایک گونہ حرکت دیتے ہیں جیسے عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ یَمُدُّهُمْ فِیْ یہ سب خلاف قاعدہ ہے پہلا اور تیسرا قول تو بالکل ہی غلط ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے۔ (درۃ الفرید)

دسواں لمعہ

(نون ساکن اور مُشدّد کے قاعدوں میں)

اور چھٹے لمعہ کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ تنوین بھی نون ساکن میں داخل ہے وہاں پھر دیکھ لو مگر ان قاعدوں میں نون ساکن کے ساتھ تنوین کا نام بھی آسانی کے لیے لے دیا جاوے گا۔

---

[1] مگر یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ میم ساکن کے بعد میم آئے اور دونوں کو ملا کر مشدّد کر لیا جائے تو صرف اسی کو ادغام صغیر مثلین کہتے ہیں بلکہ ہر اس جگہ یہ لفظ بولنا صحیح ہوگا جہاں ایک حرف ساکن ہو اور اس کے بعد پھر وہی حرف متحرک ہو کر آئے تو ان کو ملا کر ہی پڑھا جائیگا مثلاً مَنْ نَّشَآءُ، اِذْ ذَّهَبَ، فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وغیرہ وغیرہ یہ سب ادغام صغیر مثلین ہی کہلائے گا [2] میم میں اخفار ادا کرنے کے طریقہ کو واضح کرنا مقصود ہے مفہوم کے لحاظ سے اس قدر سمجھنا کافی ہے کہ میم کو مضبوطی کے ساتھ انطباقِ شفتین سے ادا نہ کیا جائے بلکہ ہونٹوں کو نرمی سے ملا کر میم ادا کی جائے اور اس حالت میں خیشوم سے غنہ ظاہر کرنے پر زور دیا جائے کیونکہ اخفار کے معنی ہیں ذاتِ حرف کو واضح کرنے کے بجائے چھپا کر ادا کرنا [3] کیونکہ بار اور میم دونوں شفتین سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

(قاعدہ ۱) نون اگر مشدّد ہو تو اس میں غنّہ ضروری ہے اور مثل میم مشدّد کے اس کو بھی اس حالت میں حرفِ غنّہ کہیں گے[۱]۔ نویں لمعہ کا پہلا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

(قاعدہ ۲) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروفِ حلق میں سے کوئی حرف آوے تو وہاں نون کا اظہار کریں گے یعنی ناک میں آواز نہ لے جاویں گے اور غُنّہ بھی نہ کریں گے جیسے اَنْعَمْتَ، سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ وغیرہ اور اس اظہار کو اظہار حلقی کہتے ہیں اور حروفِ حلقیہ چھ ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں ؎

حرفِ حلقی چھ[ع] سمجھ اے نورِ عین
ہمزہ ہاؔ و حاؔ و خاؔ و، عینؔ و غینؔ

چوتھے لمعہ میں مخرج ۱ و ۲ و ۳ و ۴ کو پھر دیکھ لو اور اظہار کا مطلب[۲] نویں لمعہ کے دوسرے قاعدہ میں پھر دیکھ لو۔

(قاعدہ ۳) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان چھ حرفوں میں سے کوئی حرف آوے جن کا مجموعہ یَرْمَلُوْنَ[ع] ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی نون اس کے بعد والے حرف سے بدل کر دونوں ایک ہو جاویں گے جیسے مِنْ لَّدُنْهُ دیکھو نون کو لام بنا کر دونوں لام کو ایک کر دیا چنانچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے اگرچہ لکھنے میں نون بھی باقی ہے مگر ان چھ حرفوں میں اتنا فرق ہے کہ ان میں سے چار حرفوں میں تو غنّہ بھی رہتا ہے اور یہ غنّہ مثل نون مشدّد کے بڑھا کر پڑھا جاتا ہے ان چاروں کا مجموعہ ہے یَنْمُوْ جیسے مَنْ یُّؤْمِنُ، بَرْقٌ یَّجْعَلُوْنَ وغیرہ ذٰلک[۳] اور اس کو ادغام مع الغنّہ کہتے ہیں اور دو جو رہ گئے یعنی ر، ل ان میں غنّہ نہیں ہوتا جیسے مِنْ لَّدُنْهُ مثال اوپر گذری ہے۔ اس میں ناک میں ذرا بھی آواز نہیں جاتی خالص لام کی طرح پڑھتے ہیں اور اس کو ادغام بلا غنّہ کہتے ہیں اور نویں لمعہ کے قاعدہ ۱ و ۲ میں غنّہ و ادغام[۴] کے معنی پھر دیکھ لو مگر اس ادغام کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ نون اور یہ حرف ایک کلمہ میں نہ ہوں ورنہ ادغام

---

[۱] نون مشدّد میں بھی غنّہ ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے اور ظہورِ غنّہ کیلئے تراخی اور مہلت ضروری ہے مگر یہ تراخی مدِّ طبعی کی مقدار سے زیادہ نہ ہو نیز نون کی ادائیگی سے پیشتر حرف مد کی تولید سے احتراز نہایت ضروری ہے اِنَّ، اِیْنَ نہ ہو جائے [۲] یعنی حرف کو اس کے مخرج و صفات سے بغیر غنّہ ظاہر کیے ہوئے ادا کرنا [۳] مِنْ وَّالٍ، یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَه، مِنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ، مَنْ نَّشَآءُ، ۲ اَمَنَةً نُّعَاسًا۔ [۴] ادغام کے معنی ہیں حرف ساکن کو حرف متحرک میں اس طرح ملا کر پڑھنا کہ دونوں ایک ساتھ مشدّد ادا ہوں پہلے حرف کو مدغم اور دوسرے کو مدغم فیہ کہتے ہیں۔
[ع] ترجمہ اش این است، اخراش می کنند آں چند مرداں [ع] ترجمہ اش این است نمومی یابد آں یک مرد (منہ رح)

نہ کریں گے بلکہ اظہار کریں گے جیسے دُنْیَا، قِنْوَانٌ، صِنْوَانٌ، بُنْیَانٌ اور تمام قرآن میں اس قاعدہ کے یہی چار لفظ پائے گئے ہیں اور ان میں جو اظہار ہوتا ہے اس کو اظہارِ مطلق کہتے ہیں۔

(قاعدہ ۴) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف با، آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر غنّہ اور اخفار کے ساتھ پڑھیں گے جیسے مِنْ بَعْدِ، سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ اور بعضے قرآنوں میں آسانی کے لیے ایسے نون و تنوین کے بعد ننھی سی میم بھی لکھ دیتے ہیں اس طرح مِنْۢ بَعْدِ اور اس بدلنے کو اقلاب اور قلب کہتے ہیں اور اس میم کے اخفار کا مطلب اور ادا کرنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو کہ اخفار شفوی کا تھا نویں لمعہ کا دوسرا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

(قاعدہ ۵) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان تیرہ حرفوں کے سوا جن کا ذکر قاعدہ نمبر ۱، نمبر ۲، نمبر ۳ نمبر ۴ میں ہو چکا ہے اور کوئی حرف آوے تو وہاں نون اور تنوین کو اخفار اور غنّہ کے ساتھ پڑھیں گے اور وہ پندرہ حرف ہیں ت[۱] ث[۲] ج[۳] د[۴] ذ[۵] ز[۶] س[۷] ش[۸] ص[۹] ض[۱۰] ط[۱۱] ظ[۱۲] ف[۱۳] ق[۱۴] ک[۱۵] اور الف کو اس لیے شمار نہیں کیا کہ وہ نون ساکن کے بعد نہیں آسکتا (درۃ الفرید) اور اس اخفار کا مطلب یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کو اس کے مخرجِ اصلی (کنارۂ زبان اور تالو) سے علیحدہ رکھ کر اس کی آواز کو خیشوم میں چھپا کر اس طرح پڑھیں کہ نہ ادغام ہو نہ اظہار بلکہ دونوں کے درمیانی حالت ہو یعنی نہ تو اظہار کی طرح اس کے ادا میں سرِ زبان تالو سے لگے اور نہ ادغام کی طرح بعد والے حرف کے مخرج سے نکلے بلکہ بدون دخل[۱] زبان کے اور بدون تشدید[۲] کے صرف خیشوم سے غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جائے اور جب تک اخفار کی

---

۱ یعنی طرف زبان اور تالو کو نونِ مخفاۃ کی ادا میں دخیل نہ ہونے دے اگر معمولی طور پر طرفِ لسان تالو پر لگ جائے تو یہ اخفار کی حقیقت کے منافی نہیں۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ طرفِ لسان اور تالو میں اگر فاصلہ پیدا کیا جائے تو خلاءِ دہن میں آواز پھیل کر مدیت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے یعنی اَنْذَرْتَهُمْ کی جگہ آنْذَرْتَهُمْ ہو سکتا ہے ۲ کیونکہ نون کے بعد والے حرف کے مخرج میں اگر نون کا غنہ ادا کیا گیا تو یہ ادغام مع الغنہ ہو جائے گا اور نون کے بعد حرف یا رصاف یا قدرے مشدد سنائی دے گا جو بالکل غلط ہے مثلاً اَنْفُسَهُمْ کے نون مخفاۃ کو ادا کرتے وقت اگر طرفِ ثنایا علیا کو نچلے ہونٹ کے اندرونی حصہ پر لگا یا گیا تو یہ اخفار صحیح نہ ہو گا۔

مشق کسی ماہر استاد سے میسّر نہ ہو اس وقت تک صرف غنّہ ہی کے ساتھ پڑھتا رہے کہ دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہی ہیں جیسے اَنۡذَرۡتَهُمۡ قَوۡمًا ظَلَمُوۡا وغیرہ مگر پھر بھی آسانی کے لیے اس اخفا کی ایک دو مثال اپنی بول چال کے لفظوں میں بتلائے دیتا ہوں کہ کچھ تو سمجھ میں آجاوے. وہ مثالیں یہ ہیں کنُواں[1] کنوَل، مُنہ، اُونٹ، بانس، سینگ، دیکھو ان لفظوں میں نون نہ تو اپنے مخرج سے نکلا اور نہ بعد والے حرف میں ادغام ہو گیا اور اس نون کے اخفا کو اخفاء حقیقی[2] کہتے ہیں اور نون کے اظہار کو جس کا بیان قاعدہ نمبر ۲ میں ہوا ہے اظہار حلقی کہتے ہیں اور جس کا بیان قاعدہ نمبر ۳ میں ہوا ہے اظہار مطلق کہتے ہیں جس طرح میم کے اخفاء و اظہار کو شفوی کہتے ہیں جس کا بیان نویں لمعہ قاعدہ نمبر ۲ میں گذرا ہے

گیارھواں لمعہ

الف اور واؤ اور یاء کے قاعدوں میں

جبکہ یہ ساکن ہوں اور الف سے پہلے والے حرف پر[3] زبر ہو اور واؤ سے پہلے پیش ہو اور یٰ سے پہلے زیر ہو اور اس حالت میں ان کا نام مدّہ ہے دیکھو لمعہ ۲ مخرج نمبر ۱ اور کھڑا زبر اور کھڑی زیر اور الٹا پیش بھی حروف مدّہ میں داخل ہے کیونکہ کھڑا زبر الف مدّہ کی آواز دیتا ہے اور کھڑی زیر یائے مدہ کی اور الٹا پیش واؤ مدّہ کی۔ اب ان قواعد کے بیان میں ہم فقط لفظ مدّہ لکھیں گے ہر جگہ اتنے لمبے نام کون لکھے۔

(قاعدہ ۱) اگر حرفِ مدّہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرفِ مدّہ اور یہ ہمزہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں وہاں اس مدّہ کو بڑھا کر پڑھیں گے اور اس بڑھا کر پڑھنے کو مدّ کہتے ہیں جیسے سَوَآءٌ، سُوۡٓءَ، سِيۡٓـَٔتۡ اور اس کا

---

[1] کنواں، کنول وغیرہ جو مثالیں دی جارہی ہیں یہ محض تقریب ذہنی اور تفہیم کے لیے ہیں ورنہ مثالوں میں اخفا کی حقیقی آواز نہیں پائی جاتی تمام مثالوں میں مابعدِ نون والے حرف کی آواز کے ساتھ غنّہ پایا جارہا ہے۔ ہمارے خیال میں اخفا بھی مثل ضاد کے عربی زبان کی خصوصیات میں سے ہے، لہٰذا دوسری کسی زبان کے لفظ میں اس کی مثال ممکن نہیں [2] اخفا میم میں بھی ہوتا ہے مگر وہ اتنا قوی نہیں جتنا نون میں قوی ہے گویا اخفا اصلی اور حقیقی طور پر نون ہی میں ہوتا ہے کیونکہ خیشوم (ناک کا بانسا) طرف لسان اور تالو سے ہونٹوں کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے لہٰذا بمقابلہ میم کے نون میں اخفا اور غنہ زیادہ کامل ہے [3] الف کی ہمیشہ یہی ایک حالت ہوتی ہے یعنی ساکن بے جھٹکے اور ماقبل مفتوح۔

نام مدِّ متصل ہے اور اس کو مدِّ واجب بھی کہتے ہیں اور مقدار اس کی تین الف یا چار الف ہے اور الف کے انداز کرنے کا طریقہ نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ا کے قاعدہ میں لکھا گیا ہے ۔ پس اس طریقہ کے موافق تین یا چار انگلیوں کو آگے پیچھے بند کر لینے سے یہ اندازہ حاصل ہو جاوے گا مگر یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو حروفِ مدّہ کی اصلی مقدار ہے مثلاً جَآءَ میں اگر مدّ نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار ہے سو اس مقدار کے علاوہ[1] مدّ کرنے کی مقدار ہو گی ۔

(قاعدہ ۲) اگر حروفِ مدّہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرفِ مدّہ اور وہ ہمزہ ایک کلمہ میں نہ ہوں بلکہ ایک کلمہ کے اخیر میں تو حرفِ مدّہ ہو اور دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزہ ہو وہاں بھی اُس مدّہ کو بڑھا کر یعنی مدّ کے ساتھ پڑھیں گے جیسے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ ، اَلَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ ، قَالُوْٓا اٰمَنَّا مگر یہ مدّ اُس وقت ہو گا جب دونوں کلموں کو ملا کر پڑھیں اور اگر کسی وجہ سے پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو پھر یہ مدّ نہ پڑھیں گے اور اس کو مدِّ منفصل اور مدِّ جائز بھی کہتے[2] ہیں اور اس کی مقدار بھی تین یا چار الف ہے جیسے متصل کی تھی اور دونوں کی اگر الگ الگ کسی کو پہچان نہ ہو تو فکر نہ کریں کیونکہ دونوں ایک ہی طرح پڑھے جاتے ہیں ۔

---

[1] گویا مدِّ متصل کی مقدارِ کشش مد اصلی سمیت کل چار یا پانچ الف ہے ۔ مگر یہ صحیح نہیں حضرت موٴلفؒ سے یہاں تسامح ہُوا ہے صحیح یہ ہے کہ امام عاصمؒ کے یہاں مد متصل کی زیادہ سے زیادہ مقدار چار الف مع مد اصلی ہے ۔ مد کے چار مراتب ہیں اطول ، طول ، توسّط ، ما فوق القصر حضرات قراء میں سے ورشؒ و حمزہؒ کے لیے اطول ، عاصمؒ کے لیے طول ، ابن عامر شامی اور کسائی کے لیے توسّط اور ابنِ کثیر مکی ابو عمرو بصری اور قالون کے لیے ما فوق القصر ہے پھر ان چاروں مراتب کی مقدار کشش کی تعیین بصورت الفات حسب ذیل ہیں ۔

فالجمھور منھم قالوا الاطول خمس الفات والطول اربع والتوسط ثلث وما فوق القصر اثنان ۔ والمد الطبیعی داخل فی ھذہ الاعداد ۔ ھذا ما ذکرہ علی القاری ملخصاً (جھد المقل ص ۱۵۴)

جمہور کا قول یہ ہے کہ اطول پانچ الف کے برابر ہوتا ہے اور طول چار الف کے اور توسّط تین الف اور ما فوق القصر دو الف کے برابر ہوتا ہے اور مدّ طبیعی ان اعداد میں داخل ہے ۔ مُلّا علی قاری نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے ۔

[2] تسمّٰی بالجائز لان بعض الائمۃ لا یوجبہ ۔ منہؒ [2] اس قسم کو مدّ جائز حفصؒ کے ایک طریق (طریق جزریؒ) کے مطابق کہا گیا اس طریق میں مد کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں مگر بطریق شاطبی مثل مدّ متصل کے اس میں مدّ کرنا ضروری ہے ۔ بقیہ صفحہ ۳۴ پر دیکھو

(قاعدہ ۳) اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدّہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی ہو یعنی، اس پر وقف کرنے کے سبب سے سکون نہ ہوا ہو جیسے آلْئٰنَ اس میں اوّل حرف ہمزہ ہے دوسرا حرف الف ہے اور وہ مدّہ ہے اور تیسرا حرف لام ساکن ہے اور اس کا ساکن ہونا ظاہر ہے کہ وقف کے سبب نہیں ہے چنانچہ اس پر[1] وقف نہ کریں تب بھی ساکن ہی پڑھیں گے، تو ایسے[2] مدّہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام مدّ لازم ہے اور اس کی مقدار تین[3] الف ہے اور ایسے مدّ کو کلمی مخفّف کہتے ہیں۔

(قاعدہ ۴) اگر ایک کلمہ میں حرف مدہ کے بعد کوئی حرف مشدّد ہو جیسے ضَآلِّیْنَ اس میں الف تو مدّہ ہے اور اس کے بعد لام پر تشدید ہے اس مدّہ پر بھی مدّ[4] ہوتا ہے اور اس کا نام بھی مدّ لازم ہے اور اس کی مقدار تین[5] الف ہے اور ایسے مد کو کلمی مثقل کہتے ہیں۔

(قاعدہ ۵) بعض سورتوں کے اوّل میں جو بعضے حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں ہے الٓمّٓ یعنی الف لام میم ان کو حُروفِ مُقطّعہ کہتے ہیں ان میں ایک تو خود الف ہے اس کے متعلق تو یہاں کوئی قاعدہ[6] نہیں اور اس کے سوا جو اور حروف رہ گئے وہ دو طرح کے

حاشیہ صفحہ ۳۳ :۔ اور مدّ منفصل کی مقدار بھی مثل مد متصل کے زیادہ سے زیادہ بقدر چار الف مع مد اصلی ہوگی۔

[1] سکون اصلی اور سکون عارضی کا فرق سمجھانے کے لیے یہ بات فرمائی ورنہ لام پر وقف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وقف درمیان کلمہ پر جائز نہیں ہمیشہ کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے [2] مد لازم کلمی مخفّف کی تعریف اس طرح یاد کریں "حرفِ مدّ کے بعد والے حرف پر سکون اصلی ہو اور یہ حرفِ مد کلمۂ قرآنی میں ہو"، نیز واضح ہو کہ تمام قرآن میں (بروایت حفص) مد لازم کلمی مخفّف کی مثال صرف یہی ایک لفظ آلْئٰنَ ہے جو سورۂ یونس میں دو جگہ آیا ہے [3] مدّ متصل کی مقدار میں مؤلف نے جمہور کا قول اختیار فرمایا ہے جس کی رُو سے مد متصل کی زیادہ سے زیادہ مقدار چار الف ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہاں بھی جمہور کی مذکورہ تعبیر کو پیش نظر رکھ کر یہ فرمایا جاتا کہ مقدار اس کی پانچ الف ہے مد اصلی سمیت۔ یاد رہے کہ مد لازم کی چاروں قسموں میں باتفاق تمام قراء مقدار اطول میں بقدر پانچ الفی مد ہوتا ہے۔ [4] مختصر لفظوں میں تعریف اس طرح یاد رکھیں تو آسانی ہوگی "حرف مد کے بعد والے حرف پر تشدید ہو اور حرفِ مد کلمہ میں واقع ہو تو وہ مد لازم کلمی مثقل ہوتا ہے"، جیسے اَتُحَآجُّوْنِّیْ وغیرہ [5] یہاں بھی یہی مناسب تھا کہ مقدار پانچ الف فرمائی جاتی تاکہ خلط فی الاقوال نہ ہو [6] الف کے تلفظ میں تین حرف ہیں ہمزہ، لام، فا۔ تینوں میں سے کوئی بھی حرفِ مد نہیں، لہٰذا مد کی بحث سے خارج ہے کیونکہ محلِ مد ہی موجود نہیں۔

ہیں ایک وہ جن میں تین[1] حرف ہیں جیسے لام میم قاف لوٰن اور ایک وہ جن میں دو حرف ہیں جیسے
طٰہٰ سو جن میں دو حرف ہیں ان کے متعلق بھی یہاں کوئی قاعدہ[2] نہیں اور جن میں تین حرف ہیں ان
پر مد ہوتا ہے اس کو بھی مدِلازم کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین[3] الف ہے اور ایسے مد کو مدِ حرفی
کہتے ہیں، پھر ان میں سے جن حروفِ مقطعہ کے اخیر حرف پر پڑھنے کے وقت تشدید ہے ان کے مد
کو مدِ حرفی مثقل[4] کہتے ہیں جیسے الٓمٓ میں لام کو جب میم کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس کے اخیر میں تشدید
پیدا[5] ہوتی ہے اور جن میں تشدید نہیں ہے ان کے مد کو مدِ حرفی محفف کہتے ہیں جیسے الٓمٓ میں میم
کے اخیر میں تشدید نہیں[6] ہے۔

تنبیہ[1] تین حرفی مقطعات ہیں جن میں مد پڑھنا بتلایا گیا ہے اکثر میں تو بیچ کا حرف مدّہ ہی ہے،
جس کے بعد کہیں تو حرف ساکن ہے جیسے مٓیم میں یٓے مدّہ ہے اور اس کے بعد میم ساکن ہے اور کہیں حرف
مشدّد ہے جیسے لام میں الف مدّہ ہے اور اس کے بعد میم مشدّد ہے اور مدّہ پر ایسے مواقع میں مد ہوتا ہی ہے
تو ان میں تو مد ہونا عام قاعدہ کے موافق ہے البتہ جن تین حرفی مقطعات میں بیچ کا حرف مدّہ نہیں ہے جیسے

---

[1] ایسے حروف کل سات ہیں، نٓ، حٓمٓ، قٓ، صٓ، سٓ، لامٓ، کافٓ، میمٓ [2] ایسے حروف کل پانچ ہیں حا، یا،
طا، ھا، را، ان پانچوں میں مد اصلی ہے کیونکہ محل مد الف تو ہے مگر اس کے بعد سبب مد (ہمزہ، یا سکون یا تشدید) کوئی
نہیں لہٰذا مد فرعی بھی نہیں۔ [3] یہاں بھی جمہور کے قول کے موافق پانچ الف مقدار یاد کیجئے۔ [4] مختصر
تعریف یوں یاد کیجئے "حرف مد کے بعد والا حرف اگر مشدد ہو اور یہ حرف مد مقطعات میں ہو تو وہ مد لازم حرفی مثقل ہے"
[5] میم ساکن کے قواعد میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر میم ساکن کے بعد میم ہو تو وہاں ادغام ہوگا اور ادغام
کی وجہ سے میم مشدّد ہو جائے گا، اسی قاعدہ کے مطابق لاؔم کی مِیم کا مِیم کی
پہلی میم میں ادغام ہوا اور تشدید آئی ہے۔ اسی طرح طٰسٓمٓ کہ اصل میں طٰا سِیْنْ مِیْم
ہے بقاعدہ یرملون نون کا میم میں ادغام ہو کر تشدید آگئی ہے اور اس طرح
سین میں مد لازم حرفی مثقل پایا گیا۔ [6] اسی طرح الٓرٰ کے لام میں مدِلازم حرفی مخفف ہے۔

کٓھٰیٰعٓصٓ میں عٓ[۱] ہے وہاں مد ہونا اس عام قاعدہ کے موافق نہیں ہے اور اسی واسطے اگر مد نہ کریں تب بھی درست ہے لیکن افضل یہی[۲] ہے کہ مد کریں اور اس مد کو لازم لین کہتے ہیں۔

(تنبیہ ۲) جو حروف مقطعات اخیر میں ہیں اُن پر مد اُس وقت ہے جب اُس پر وقف کریں اور اگر مابعد سے ملا کر پڑھیں تو پھر مد کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہیں جیسے سورۂ آل عمران میں الٓمّٓ کے میم کو اگر اللہ سے ملا کر پڑھیں تو مد کرنے نہ کرنے کا اختیار[۳] ہے۔

قاعدہ ۶ اگر حرفِ مدّہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی نہ ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سکون ہو گیا ہو (اور یہ ساکن مقابل ہے اس ساکن کا جو قاعدہ ۳ کے شروع میں مذکور ہوا ہے) تو اس مدہ پر مد کرنا جائز ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے لیکن کرنا بہتر ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ پر اور اس کو مدِّ وقفی اور مدِّ عارض بھی کہتے ہیں اور یہ مد تین[۴] الف کے برابر ہے اور اس کو طول بھی کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دو الف کے برابر مد کریں اور اس کو توسط کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بالکل مد نہ کریں یعنی ایک ہی الف کے برابر پڑھیں کہ اس سے کم میں حرف ہی نہ رہے گا (آگے تنبیہ سوم دیکھو) اس کو قصر کہتے ہیں اور اس میں افضل طول ہے پھر توسط پھر قصر اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان تینوں میں سے جو طریقہ اختیار کرو ختم تلاوت تک اسی کے موافق کرتے چلے

---

۱ مدِ لازم لین کی مثال تمام قرآن میں صرف حرفِ عٓین ہے جو دو جگہ مریم اور شوریٰ کے مقطعات میں واقع ہے ۲ طول افضل ہے ابنِ مجاہد اور اکثر اکابر اہل ادا کا یہی مذہب ہے۔ توسط بھی جائز ہے بلکہ ابنِ غلبون، مکی اور ایک جماعت یہی پسند کرتے ہیں اور قصر بھی جائز ہے۔ (نہایۃ القول المفید صفحہ ۱۳۰)

۳ طول اور قصر صرف دو وجہ جائز ہیں، توسط نہایت ضعیف ہے (نہایۃ القول المفید صفحہ ۱۳۰) ۴ ایک قول یہ بھی ہے کہ طول بقدر تین الف اور توسط بقدر دو الف ہے مگر جمہور کے قول کے موافق اور اس وجہ سے بھی کہ مدِ متصل میں جو قول اختیار کیا گیا ہے اس کا تقاضا یہاں بھی یہ تھا کہ طول بقدر پانچ الف توسط بقدر تین الف فرمایا جاتا تاکہ خلط فی الاقوال نہ ہو نیز یہ وہم نہ ہو کہ مدِ متصل میں طول ہوتا ہے اور وہ مدِ لازم و عارض کے طول سے بھی زیادہ ہوتا ہے حالانکہ متصل و منفصل میں توسط ہوتا ہے اور مدِ لازم کی چاروں قسموں میں صرف طول ہوتا ہے اور مدِ عارض وقفی اور مدِ لین عارض میں طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں

جاؤ البیانہ کرو کہ کہیں طول کہیں قصر کہ یہ بدنما ہے اور یہ مد بھی مدِّ جائز کی ایک قسم ہے اور جہاں خود مدّہ پر وقف ہو وہاں یہ مد نہیں ہوتا جیسے بعضے لوگ غَفُوْرٌ اُڑ شَکُوْرًا ڑ پر وقف کرکے مد[1] کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے

(تنبیہ نمبر ۱) مدِّ عارض جس طرح مدّہ پر جائز ہے اسی طرح لین پر بھی جائز ہے یعنی واؤ ساکن جس سے پہلے زبر ہو اور یار ساکن جس سے پہلے زبر ہو (دیکھو لمعہ ۵ نمبر ۱۳) جیسے وَالصَّیْفِ پر یا مِنْ خَوْفٍ پر وقف کریں اور جس طرح مد یعنی طول جائز ہے اسی طرح توسط اور قصر بھی مگر اس میں افضل قصر ہے پھر توسط پھر طول اور اس مد کو مدِّ عارض لین کہتے ہیں۔

(تنبیہ نمبر ۲) حرفِ لین کے متعلق ایک قاعدہ (لمعہ نمبر ۱۱ قاعدہ نمبر ۵ تنبیہ نمبر ۱) میں بھی گذرا ہے دیکھ لو کیونکہ وہاں حروفِ مقطعہ میں سے جو عین ہے اس کی یار حرفِ لین ہے۔

(تنبیہ نمبر ۳) یہاں تک جتنی قسمیں مد کی مذکور ہوئیں یہ سب مدِّ فرعی[2] کہلاتی ہیں یعنی چونکہ اصل حرف سے زائد ہیں اور ایک مد اصلی ہے اور اس کو ذاتی اور طبعی بھی کہتے ہیں یعنی الف اور واؤ اور یار کی اتنی مقدار کہ اگر اُس سے کم پڑھیں تو وہ حرف ہی نہ رہے بلکہ زبر یا پیش یا زیر رہ جائے اور اس کے متعلق کوئی قاعدہ نہیں ہے۔

(قاعدہ نمبر ۷) یہ قاعدہ حروفِ مدّہ سے حرف الف کے متعلق ہے وہ یہ کہ الف خود باریک پڑھا جاتا ہے لیکن اُس سے پہلے اگر کوئی حرف پُر ہو یعنی یا تو حُروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جن کا

---

[1] یعنی الف کو اس کی مقدار اصلی سے زیادہ کھینچتے ہیں جو صحیح نہیں نیز یاد رہے کہ ایسے موقع پر بعض لوگ الف کے بعد ہمزہ یا ہا نکالتے ہیں جو غلط ہے۔ [2] حروفِ مدّہ کا بیان چونکہ بالکل شروع میں آچکا ہے مصنف صاحبؒ نے اس کو بعد میں بیان کیا ورنہ اس کا بیان پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ مدِّ اصلی یا مدِّ ذاتی یا مدِّ طبعی کی تعریف اس طرح کیجیئے کہ حرفِ مد کے بعد ہمزہ یا سکون یا تشدید نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اس کی اصلی مقدار میں پڑھنا اور مدِّ فرعی یہ کہ حرفِ مد کے بعد کسی سبب (ہمزہ[1]، سکون[2]، تشدید[3]) کے ہونے کی وجہ سے اس کو اس کی اصلی مقدار سے زیادہ بڑھا کر پڑھنا، جس کی نو[9] قسمیں آپ نے اوپر پڑھیں۔

بیان لمعہ ۵ صفت ۵ میں گذر چکا ہے یا حرف راء ہو جو کہ مفتوح ہونے سے پُر ہو جاوے گی یا پُر لام ہو جیسے لفظ اللہ کا لام ہے جب کہ اُس سے پہلے زبر یا پیش ہو تو ان صورتوں میں الف کو بھی موٹا پڑھیں گے۔

اور جاننا چاہیئے کہ ان حرفوں کے پُر ہونے میں بھی تفاوت ہے[1] تو ویسا ہی تفاوت اس الف کے پُر ہونے میں بھی ہوگا جو ان حرفوں کے بعد آیا ہے سو سب سے زیادہ پُر تو اسم اللہ کا لام ہے اُس کے بعد طاء اس کے بعد صاد اور ضاد ان کے بعد ظا اُس کے بعد قاف اُس کے بعد غین اور خاء اُن کے بعد راء (حقیقۃ التجوید ص ۲۹)

بارھواں لمعہ

ھمزہ کے قاعدوں میں

اس کے بعضے قاعدے تو بدون عربی پڑھے سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے صرف دو موقع کے قاعدے لکھے دیتا ہوں کہ سب قرآن پڑھنے والوں کو اس کی ضرورت ہے۔

(قاعدہ ۱) چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب ایک آیت میں یہ آیا ہے ءَاَعْجَمِیٌّ سو اس کا دوسرا ہمزہ ذرا نرم[2] کر کے پڑھو۔

۱؎ حروفِ مفخمہ کُل دس ہوئے سات حروفِ مستعلیہ جن کی تفخیم اصلی ہے اور تین لام[1] اسم الجلالہ، راء[2] اور الف[3] کہ جن کی تفخیم عارضی ہے کہ کبھی ہوگی اور کبھی نہ ہوگی جیسا کہ تینوں کے قواعد اپنے اپنے مقام پر گذرے، حضرت مؤلف رح نے حرفوں کے پُر ہونے میں جو تفاوت بیان کیا ہے اس کو "حروفِ مفخمہ میں مراتب" سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ ہے جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا "تفخیم میں مراتب" اس کی تشریح یہ ہے کہ حرفوں کی تفخیم کا ظہور سب سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب حرفِ مفخم مفتوح ہو اور اس کے بعد الف ہو جیسے طَالَ، اس کے بعد جیسے ضَلَالٍ، اس کے بعد مضموم جیسے قُرِئَ اس کے بعد مکسور جیسے ظِلٍّ، اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی الف اور ہمزہ کے درمیان ادا کرو، نہ پوری طرح جھٹکے سے ادا ہو جس کو تحقیق کہتے ہیں اور نہ مثل الف بالکل نرمی سے ادا ہو۔

ع؎ وفیہا فاذا وقع بعدہا (ای الحروف المفخمۃ) الف فُخِّمَ الالف لانہ تابع لما قبلہا بخلاف اُختیہا فانہ اذا وقع بعدہا واو ویاء فلا یؤثر تفخیمہا فیہا الخ۔ منہ رح

اس کو تسہیل[۱] کہتے ہیں۔

(قاعدہ ۲) سورۂ حجرات کے دوسرے رکوع میں یہ آیا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ سو اس کو اس طرح پڑھو کہ بِئْسَ کے سین پر تو زبر پڑھو اور اس کو بعد کے کسی حرف سے نہ ملاؤ پھر لام جو اس کے بعد لکھا ہے اس کو زیر دے کر بعد کے سین سے ملا دو پھر میم کو اگلے لام سے ملا دو خلاصہ یہ ہے کہ اَلِاسْمُ کے لام سے آگے پیچھے جو دو ہمزہ بشکل الف لکھے ہیں ان کو بالکل مت پڑھو۔

تیرھواں لمعہ

(وقف[۲] کرنے یعنی کسی کلمہ پر ٹھہرنے کے قواعد میں)

اصل فنِ تجوید تو مخارج اور صفات کی بحث ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ بقدر ضرورت اوپر لکھی گئی باقی اور تین

---

[۱] تسہیل واجب ہے، اور چھ کلمات ءآلْئٰنَ دو جگہ سورۂ یونس میں ءآللّٰهُ ایک یونس میں اور ایک جگہ سورۂ نمل میں اور ءآلذّٰکَرَیْنِ دو جگہ سورۂ انعام میں، دوسرے ہمزہ کو بجائے الف پڑھنے کے تسہیل سے بغیر مد کے ادا کرنا بھی جائز ہے۔ ان چھ کلمات میں تسہیل جائز ہے۔ باقی تمام قرآن میں ہر جگہ ہمزہ کو تحقیق سے پڑھنا ضروری ہے۔

[۲] وقف کے معنی ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کی تعریف ہے "کلمۂ غیر موصول کے آخر میں سانس لے کر ٹھہرنا" یعنی پہلی بات تو یہ کہ وقف کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے، درمیان میں وقف کرنا صحیح نہیں مثلاً لفظ قَالُوْا پر وقف کرنا تو صحیح ہے مگر قَا پر وقف صحیح نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرآن میں بعض جگہ کئی کئی لفظوں کو ملا کر لکھا ہے وہ عربی کے اعتبار سے اگرچہ کئی جدا جدا لفظ ہیں مگر ملا کر لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک ہی لفظ کے حکم میں ہیں مثلاً اَیْنَمَا اگرچہ عربی کے اعتبار سے دو لفظ ہیں ایک اَیْنَ اور دوسرا مَا لیکن ملا کر لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اَیْنَمَا کے الف پر تو وقف صحیح ہے مگر اَیْنَ کے نون پر وقف صحیح نہیں، ایسے کلمات کو موصول کہتے ہیں۔

علم اس فن کی تکمیل میں علمِ اوقاف[1]، علمِ قراءت[2]، علمِ رسمِ خط[3]، چنانچہ علمِ اوقاف کی ایک بحث[4] وقف کرنے کے قواعد ہیں

(قاعدہ ۱) جو شخص معنی نہ سمجھتا ہو اُس کو چاہیئے کہ انہیں مواقع پر وقف کرے جہاں قرآن میں نشان بنا ہوا ہے بلا ضرورت بیچ میں[5] نہ ٹھہرے البتہ اگر بیچ میں سانس ٹوٹ جاوے تو مجبوری ہے، پھر اگر مجبوری سے ایسا ہو تو چاہیے کہ جس کلمہ پر ٹھہر گیا تھا اس سے یا اوپر سے[6] پھر لوٹا کر اور مابعد سے ملا کر پڑھے اور اس کا سمجھنا کہ اسی کلمہ سے پڑھوں یا اوپر سے بدون معنی سمجھے ہوئے مشکل ہے جب تک معنے سمجھنے کی لیاقت نہ ہو شبہ کے موقع میں کسی عالم سے پوچھ لے اور ایسی مجبوری کے وقف میں ایک اس کا خیال رہے کہ کلمہ کے بیچ میں وقف نہ کرے بلکہ کلمہ کے ختم پر ٹھہرے اور یہ بھی جان لو کہ وقف کرنا حرکت پر غلط ہے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں مثلاً کسی شخص کا سانس سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کے کاف پر ٹوٹ گیا تو اس وقت کاف کو ساکن کر دینا چاہیے زبر کے ساتھ وقف نہ کریں اسی طرح بے سانس توڑے وقف نہیں ہوتا جیسا بعض لوگ آیت کے ختم پر ساکن نون پڑھتے ہیں۔ مگر بے سانس توڑے دوسری آیت شروع کر دیتے ہیں یہ بھی بے قاعدہ ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی مجبوری میں جو کسی کلمہ پر وقف کرو تو وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق وقف کرو اگرچہ

---

[1] علم اوقاف دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک یہ کہ وقف باعتبار معنی کے کہاں کرے ؛ اس کا جواب آئندہ قاعدہ ۱ میں آرہا ہے دوسرے یہ کہ وقف کس طرح کرے ؛ اس کا جواب آئندہ قواعد ۲، ۳، ۴ الی آخرہ میں آئے گا۔ [2] علم تجوید اور علمِ قرأت موضوع تو دونوں کا الفاظ قرآن ہیں، فرق یہ ہے کہ تجوید میں حروف کے مخارج وصفات اور ان کے حالات متفقہ سے بحث ہوتی ہے اور قراءت میں احوال مختلف فیہا سے مثلاً حذف واثبات، تحریک وتسکین، مدّ وقصر، فتح وامالہ، تحقیق وتخفیف وغیرہ۔ شرح سبعہ قراءات ص ۱۱۰

[3] یعنی حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں قرآن کی جو تحریر اور الفاظ کی جو شکل اختیار کی گئی اور قرآن لکھوا کر حضرت عثمانؓ نے جابجا بھجوائے اور اس تحریر پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوا، اس تحریر کے علم اور اس کے ضوابط وقواعد کو علمِ رسمِ خط کہتے ہیں۔ قرآن مجید اس طرزِ تحریر کے خلاف لکھنا جائز نہیں۔ تمام علمائے امت کا اس پر اجماع ہے یہ ایک وسیع فن ہے جس کو علمِ رسمِ خط کہتے ہیں۔ [4] یعنی ان نشانوں کے بیچ میں ٹھہرے اور نشانوں کا یہ مطلب ہے کہ یا تو گول آیت پر ٹھہرے اور اس کو وقف مُنَزَّل بھی کہتے ہیں اور درمیان آیت میں جو م یا ط یا ج یا ز حروف ہوں یہ سب وقف کے نشان ہیں، ان نشانوں کے علاوہ کہیں ٹھہرے تو ماقبل سے لوٹا کر پڑھے۔ [5] جہاں سے جملہ پوری طرح یا فی الجملہ شروع ہوتا ہو وہیں سے لوٹانا چاہیے، اسی لیے قاری کو کم از کم ابتدائی عربی اور ترجمۂ قرآن سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ [6] والبحث الأخر اقسام الوقف من الحسن والقبيح والتام وغيره (جهد المقل) لم اذكره كالباقين لانها لا تتعلق بالتجويد ۔ منہ

وہ دوسری طرح پڑھا جاتا ہو پڑھنے کے موافق وقف نہ کریں گے مثلاً اَنَا میں جو الف نون کے بعد ہے وہ ویسے تو پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اگر اس کلمہ پر وقف کیا جاوے گا تو پھر اس الف کو بھی پڑھیں گے اور پھر جب اس کلمہ کو لوٹاویں گے تو اُس وقت چونکہ مابعد سے ملاکر پڑھیں گے اس لیے یہ الف نہ پڑھا جاوے گا، ان باتوں کو خوب سمجھ لو اور یاد رکھو اس میں بڑے بڑے حافظ غلطی کرتے ہیں۔

(تنبیہ) قاعدہ مذکورہ کے اخیر میں جو لکھا گیا ہے کہ وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق وقف[1] کرو اس قاعدہ سے یہ الفاظ مستثنٰی ہیں اَوْيَعْفُوَا سورۂ بقرہ کے اکتیسویں رکوع میں اور اَنْ تَبُوْٓءَا سورۂ مائدہ کے پانچویں رکوع میں اور لِتَتْلُوَا سورۂ رعد کے چوتھے رکوع میں اور لَنْ نَّدْعُوَا سورۂ کہف کے دوسرے رکوع میں اور لِيَرْبُوَا سورۂ روم کے چوتھے رکوع میں اور لِيَبْلُوَا سورۂ محمدؐ کے اوّل رکوع میں اور نَبْلُوَا سورۂ محمدؐ کے چوتھے رکوع میں اور ثَمُوْدَا چار جگہ سورۂ ہود اور سورۂ فرقان اور سورۂ عنکبوت اور سورۂ نجم میں اور دوسرا قَوَارِيْرَا سورۂ دہر کے پہلے رکوع میں۔ ان سب الفاظ میں الف کسی حال میں نہیں پڑھا جاتا نہ وصل میں نہ وقف میں اور لفظ لٰكِنَّا۠ خاص سورۂ کہف میں اور اَلظُّنُوْنَا اور اَلرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِيْلَا یہ تینوں سورۂ احزاب میں اور سَلٰسِلَا اور پہلا قَوَارِيْرَا یہ دونوں سورۂ دہر میں اور لفظ اَنَا جہاں کہیں آوے تمام قرآن میں، ان تمام لفظوں میں بحالتِ وصل الف نہیں پڑھا جاتا اور حالتِ وقف میں الف پڑھا جاتا ہے مگر خاص لفظ سَلٰسِلَا کو حالتِ وقف میں بدون الف پڑھنا بھی مروی ہے یعنی سَلٰسِلْ۔

---

[1] اسی لیے کہا گیا کہ وقف رسم الخط کے تابع ہوتا ہے مثلاً گول ۃ جو بصورت ھا ہوتی ہے اس کو وقف میں ہ پڑھتے ہیں۔ دو زبر کی تنوین بصورت الف لکھی ہوتی ہے اس لیے اس کو الف سے بدل کر وقف کرتے ہیں، بخلاف اس کے زیر اور پیش کی تنوین کے ساتھ کوئی حرف لکھا ہوا نہیں ہوتا لہٰذا وقف میں تنوین کا نون حذف ہوتا ہے۔ لفظ كَاَيِّنْ میں نون پڑھا گیا حالانکہ نونِ تنوین ہے کیونکہ لکھا ہوا ہے۔ بِهٖ، لَهٗ وغیرہ میں ھا کو ساکن کرکے وقف کیا گیا اور کھڑی زیر یا الٹا پیش سے پیدا ہونے والا حرفِ مد نہیں پڑھا کیونکہ یہ حروف لکھے ہوئے نہیں۔ غرض یہ اصول کہ وقف تابعِ رسمِ خط ہوتا ہے انتہائی وسیع اصول ہے، جس کی تفصیلات بڑی کتابوں میں ہیں۔

(فائدہ[۲]) جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر وہ ساکن ہے تب تو اس میں کوئی بات[۱] بتلانے کی نہیں اور اگر وہ متحرک ہے تو اس پر وقف کرنے کے تین طریقے ہیں، ایک تو یہی جو سب جانتے ہیں کہ اس کو ساکن کر دیا[۲] جاوے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر جو حرکت ہے اس کو بہت خفیف سا ظاہر کیا جاوے اس کو رَوم کہا جاتا ہے اور اندازاً اس کا حرکت کا تہائی حصہ ہے اور یہ زبر میں نہیں ہوتا ہے صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے، جیسے بِسۡمِ اللّٰہِ کے ختم پر میم پر بہت ذرا سا زیر پڑھ دیا جاوے کہ جس کو بہت پاس والا سن سکے یا نَسۡتَعِیۡنُ کے نون پر ایسا ہی ذرا[۳] پیش پڑھ دیا جاوے اور رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے نون پر چونکہ زبر ہے یہاں ایسا نہ کریں گے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اُس حرکت کا اشارہ صرف ہونٹوں سے کر دیا جاوے یعنی پڑھا بالکل[۴] نہ جاوے بلکہ اس حرکت کے ظاہر پڑھنے کے وقت ہونٹ جس طرح بن جائے اسی طرح ہونٹوں کو بنا دیا جاوے اور اس حرف کو بالکل ساکن ہی پڑھا جاوے اور یہ اشمام کہلاتا ہے اور اس کو پاس والا بھی نہیں سن سکتا کیونکہ اس میں حرکت زبان سے تو ادا ہوئی نہیں البتہ آنکھوں والا پڑھنے والے کے ہونٹ دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ اس نے اشمام کیا ہے اور اشمام صرف پیش میں ہوتا ہے اور زبر زیر میں نہیں ہوتا مثلاً نَسۡتَعِیۡنُ کے نون پر پیش ہے اس پیش کو پڑھا تو بالکل نہیں نون کو بالکل ساکن پڑھا مگر ہونٹوں کو نون ادا کرنے کے وقت ایسا بنا دیا جیسا پیش پڑھنے کے وقت بن جاتے ہیں یعنی

۱ے یعنی اس ساکن کو وقف میں بھی ساکن ہی پڑھا جائے گا البتہ وقف کا اثر یہ ہوگا کہ سانس لیا جائے گا مثلاً فَارۡغَبۡ، وَانۡحَرۡ فَحَدِّثۡ، مِنۡهُمۡ، لَهُمۡ وغیرہ ۲ے اور وقف میں اصل اور عام طریقہ یہی ہے، جس طرح ابتدا بالسکون نہیں ہوتی اسی طرح وقف بالحرکت نہیں ہوتا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حرکتِ کاملہ پر وقف صحیح نہیں، وقف بالسکون کے متعلق بعض علما کی رائے ہے کہ یہ واجب شرعی ہے جس کے فعل پر ثواب اور ترک پر عتاب ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ محض ایک فنی اور اصطلاحی ہے قاری کے لیے اس کا ترک کرنا اور حرکتِ کاملہ پر وقف کرنا نہایت قبیح اور لائق تعزیر ہے۔ نهاية القول المفيد ص ۲۰۵

۳ے ذرا سا زیر یا پیش کا مطلب یہ ہے کہ حرکت کی ادا میں آواز پست کی جائے، صحیح ادائیگی اُستاذِ مشاق سے سُن کر ہی آسکتی ہے ۴ے یعنی حرف موقوف علیہ (کلمہ کا وہ آخری حرف جس پر وقف کرتے ہیں) ساکن پڑھا جائے اور فوراً بعد اِنۡضِمَامِ شَفَتَيۡن سے ضمہ کی طرف اشارہ کیا جائے۔

ذرا چونچ سی بنادی۔

(قاعدہ ۳) جس کلمہ کے اخیر میں تنوین ہو وہاں بھی رَوم جائز ہے مگر حرکت ظاہر کرنے کے وقت تنوین کا کوئی حصہ[1] ظاہر نہ کیا جاوے گا (تعلیم الوقف حضرت قاری عبد اللہ صاحب مکی رح)

(قاعدہ ۴) تاء جو کہ ہ کی شکل میں گول لکھی جاتی ہے[2] مگر اس پر نقطے بھی دیئے جاتے ہیں اگر ایسی تاء پر وقف ہو تو وہاں دو باتوں کا خیال رکھو ایک تو یہ کہ اس کو ہ کے طور پر پڑھو دوسرے یہ کہ وہاں رَوم اور اشمام مت کرو (تعلیم الوقف)

(قاعدہ ۵) رَوم اور اِشمام حرکت عارضی پر نہیں ہوتا ہے جیسے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ میں کوئی شخص لَقَدْ پر وقف کرنے لگے[3] تو دال کو ساکن پڑھنا چاہیئے اُس کے زیر میں رَوم نہ کریں کیونکہ عارضی ہے (تعلیم الوقف) اور اس کو بھی عربی والے جان سکتے ہیں تم کو جہاں جہاں شبہ ہو کسی عالم سے پوچھ لو۔

(قاعدہ ۶) جس کلمہ پر وقف کرو اگر اس کے اخیر حرف پر تشدید ہو تو رَوم اور اشمام میں تشدید[4] بدستور باقی رہے گی (تعلیم الوقف)

---

[1] یعنی پست آواز میں ایک پیش یا ایک زیر پڑھا جائے گا مثلاً اَحَدٌ، مِنْ مَّسَدٍ

[2] گول تا بشکل ہ کو تاءِ مُدَوَّرَہ کہتے ہیں اور لمبی ہو تو تاءِ مجرورہ یا طویلہ کہلاتی ہے اول کی مثال اَلْجَنَّةُ، اَلْمَلٰٓئِكَةُ، اَلْقِبْلَةَ، اَلْبَرِيَّةِ وغیرہ دوسری کی مثال وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ، اِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ، اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ وغیرہ، اس دوسری قسم کی تاء کو وقف میں تاء ہی پڑھتے ہیں اور رَوم و اشمام ہو سکتا ہے اور پہلی پر صرف ہاء ساکنہ سے بدل کر ہی وقف کر سکتے ہیں [3] اسی طرح وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی میم پر روم یا اشمام نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل میں میم ساکن ہے اور ضمہ عارضی ہے صرف وقف بالاسکان ہو گا۔ [4] وہ مشدّد حرف کہ جس میں غنّہ نہیں ہوتا (غیر نون و میم) اس میں تشدید کی ادائیگی میں سرعت ہوتی ہے مثلاً وَّتَبَّ ۝ بِالْحَقِّ ط اَلْمَفَرُّ ۝ فَظَلَّتْ ط صَوَآفَّ ط وغیرہ ان موقوف علیہ مشدّد میں بحالتِ وقف بھی بس اتنی ہی دیر لگائے جتنی کہ وصل میں اور جس حرف مشدّد میں غنّہ ہو تو غنہ کی وجہ سے اس میں تراخی اور مہلت ہوتی ہے جیسے مِنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ ط وَلَا جَآنٌّ ۝ وغیرہ اسی طرح واوِ مشدّد اور یاءِ مشدّد موقوف علیہ ہوں تو وقف میں خیال رکھنا چاہیئے کہ مشدّد ادا ہوں، مدّہ نہ ہو جائیں مثلاً عَدُوٌّ ط مِنْ نَّبِيٍّ ط نہایۃ القول المفید

(قاعدہ ۷) جس کلمہ پر وقف کیا جاوے اگر اس کے اخیر حرف پر زبر کی تنوین ہو تو حالتِ وقف میں اس تنوین[1] کو الف سے بدل دیں گے جیسے کسی نے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً پر وقف کیا تو اس طرح پڑھیں گے نِسَآءًا ۔

(قاعدہ ۸) جس مدِ وقفی کا بیان گیارھویں[11] لمعہ کے قاعدہ ۶ میں ہوا ہے اگر رَوم کے ساتھ وقف کیا جاوے تھے اُس وقت وہ مد نہ ہوگا مثلاً اَلرَّحِیْمِ یا نَسْتَعِیْنُ میں اگر پیش یا زیر کا ذرا سا حصہ ظاہر کریں تو پھر مد[2] نہ کریں گے (تعلیم الوقف)

چودھواں لمعہ

(فوائد متفرقہ ضروریہ کے بیان میں)

اور گو ان میں سے بعض بعض فوائد اوپر بھی معلوم ہو گئے ہیں مگر چونکہ دوسرے مضامین کے ذیل میں بیان ہوئے تھے شاید خیال نہ رہے اس لیے ان کو پھر لکھ دیا اور زیادہ تر نئے فائدے ہیں ۔

(فائدہ ۱) سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ یعنی لٰكِنَّا میں الف لکھا ہے مگر یہ پڑھا نہیں جاتا البتہ اگر اس پر کوئی وقف کردے تو اُس وقت پڑھا جاوے گا ۔

(فائدہ ۲) سورۂ دہر کے شروع میں ہے سَلٰسِلَاْ یعنی دوسرے لام کے بعد بھی الف لکھا تو ہے مگر یہ بھی پڑھا نہیں جاتا البتہ وقف کی حالت میں الف کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں طرح درست ہے ؛

---

۱ ؎ دو زبر کی تنوین میں ہر جگہ یہی قاعدہ ہے مثلاً اَفْوَاجًا ہ عَلِیْمًا ہ جُزْءًا ط سَوَآءً ط وغیرہ البتہ اس اصول سے تاءِ مُدَوَّرَہ یعنی گول تا مستثنیٰ ہے کہ اس کو بہر صورت ہائے ساکنہ سے بدلا جاتا ہے مثلاً حَسَنَةً ہ رَحْمَةً ط مَوْعِظَةً ط وغیرہ

۲ ؎ یعنی مد عارض وقفی کے اصول سے اس میں اب طول یا توسط کرنا صحیح نہیں بلکہ مثل وصل کے صرف قصر کریں گے، کیونکہ مد کا سبب سکون ہوتا ہے اور رَوم کی وجہ سے وہ نہیں رہا لہٰذا مد بھی نہ ہوگا ۔ حاصل یہ کہ رَوم حرکت میں داخل ہے اور اشمام سکون میں داخل ہے ۔

اور پہلے لام کے بعد جو الف[1] لکھا ہے وہ ہر[2] حال میں پڑھا جاتا ہے

(فائدہ ۳) اسی سورۂ دہر میں وسط کے قریب قَوَارِیْرَا قَوَارِیْرَا دو دفعہ ہے اور دونوں کے اخیر میں الف لکھا ہے سو اِن کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسری جگہ تو کسی حال میں الف نہیں پڑھا جاتا خواہ وقف ہو یا نہ ہو اور پہلی جگہ اگر وقف کرو تو الف پڑھا جاوے گا اور وقف نہ کرو تو الف نہیں پڑھا جاوے گا اور زیادہ عادت یہ ہے کہ پہلی جگہ کو وقف[3] کرتے ہیں دوسری جگہ نہیں کرتے تو اس صورت میں پہلی جگہ الف پڑھو دوسری جگہ مت پڑھو۔

(فائدہ ۴) قرآن میں ایک جگہ اِمالہ ہے یعنی سورۂ ہود میں جو بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا ہے اس کا بیان لمعہ ۸ قاعدہ ۴ میں دیکھ لو۔

(فائدہ ۵) سورۂ حٰم سجدہ میں ایک جگہ تسہیل ہے ءَ اَعْجَمِیٌّ اس کا بیان بارھویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۱۰ میں گذرا ہے دیکھ لو۔

(فائدہ ۶) سورۂ حجرات میں بِئْسَ الِاسْمُ میں اَلِاسْمُ کا ہمزہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس کے لام کو اس کے سین سے ملا دیتے ہیں اس کا بیان بھی بارھویں لمعہ کے قاعدہ ۲ میں گذرا ہے۔

(فائدہ ۷) لَئِنْ بَسَطْتَّ اور اَحَطْتُّ اور مَا فَرَّطْتُّمْ اور مَا فَرَّطْتُّ میں ادغام ناتمام ہوتا ہے یعنی طاء کو تاء کے ساتھ ملا کر مشدد کر کے اس طرح پڑھا جاوے کہ طاء اپنی صفت استعلاء و اطباق کے ساتھ بدون قلقلہ کے پُر ادا ہو اور تاء باریک ادا ہو اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں بہتر[ع] یہی ہے کہ پورا ادغام کیا جاوے یعنی قاف بالکل نہ پڑھا جاوے بلکہ قاف کو کاف سے بدل کر اور دونوں

---

[1] قرآن کے رسم خط میں پہلے لام کے بعد الف نہیں لکھا ہوا ہے، بلکہ اس پر کھڑا زبر ہے گویا موصول لکھا ہوا ہے۔ اسطرح سَلٰسِلَا

[2] کیونکہ یہ کلمہ کا درمیان ہے اور درمیانِ کلمہ پر وقف صحیح نہیں ہوتا۔ [3] کیونکہ وقف کا نشان یعنی گول آیت پہلے قَوَارِیْرَا ۵ پر ہی ہے لہٰذا وقف بھی اسی پر کرنا مناسب ہے۔

[ع] ویجوز الناقص ایضا وھوان یبقی بعض صفاتِ المدغم - منہ

کو ملا کر مشدّد کر کے پڑھا جاوے[۱]

(فائدہ ۸) نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ میں نٓ اور سین کے بعد جو واؤ ہے یَرْمَلُوْن کے قاعدہ کے موافق جس کا ذکر دسویں لمعہ کے قاعدہ ۳ میں آچکا ہے اس واؤ میں ادغام ہونا چاہیے مگر ادغام نہیں کیا جاتا[ع]۔

(فائدہ ۹) سورۂ یوسف کے دوسرے رکوع میں ہے لَا تَاْمَنَّا اس میں نٓ پر اشمام[ع] کیا کرو۔

(فائدہ ۱۰) قرآن مجید میں کہیں کہیں سکتہ لکھا ہوا پاؤ گے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ذرا ٹھہر جاؤ مگر سانس مت توڑو اور باقی سب قاعدے اس میں وقف کے سے جاری ہوں گے مثلاً سورۂ قیامہ میں ہے مَنْ سکتہ رَاقٍ تو یَرْمَلُوْن کے موافق مَنْ کا نون رے میں ادغام ہو جاتا ہے مگر ادغام نہیں ہوا کیونکہ جب سکتہ کو بجائے وقف کے سمجھا تو گویا نون اور راء میں اتصال نہیں رہا اس لیے ادغام نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۂ کہف میں ہے عِوَجًا سکتہ قَیِّمًا تو اگر عِوَجًا پر وقف نہ کریں اور مابعد سے ملا کر پڑھیں تو اخفاء نہیں ہوگا بلکہ زبر کی تنوین کو الف سے بدل کر سکتہ کیا جاوے گا اور تمام قرآن شریف میں حفص کی روایت میں کل سکتے چار ہیں ایک سورۂ قیامہ میں دوسرا سورۂ کہف میں جو کہ مذکور ہوئے تیسرا سورۂ یٰسٓ میں مِنْ مَّرْقَدِنَا کے الف پر جب کہ مابعد سے ملا کر پڑھا جاوے اور چوتھا سورۂ مطففین میں کَلَّا بَلْ کے لام ساکن پر بس ان کے سوا سورۂ فاتحہ وغیرہ میں کہیں سکتہ نہیں۔

(فائدہ ۱۱) قرآن میں جہاں پیش آوے اس کو واؤ معروف کی سی بُو دے کر پڑھو اور جہاں زیر آوے اس کو یائے معروف کی سی بُو دے کر پڑھو ہمارے ملک میں پیش کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا

---

[۱] اور یہ ادغامِ تام کہلاتا ہے اور ادغامِ ناقص مثل بَسَطْتَّ وغیرہ کے بھی جائز ہے یعنی قاف بغیر قلقلہ کے قاف ہی پڑھا جائے اور کاف کو باریک ادا کیا جائے۔ [ع] عند حفصؒ۔ منہ [ع] اختیار ہ لانہ سھل علی الاطفال ویجوز الرّوم ایضا لا نا مننا، ولا یجوز الادغام المحض۔ منہ

دیا جاوے تو واؤ مجہول پیدا ہوتی ہے اور زیر کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اُس کو بڑھا دو تو یائے مجہول پیدا ہوتی ہے تو یہ بات عربی زبان کے خلاف ہے ایسا مت کرو بلکہ پیش کو ایسا پڑھو کہ اگر اُس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ معروف پیدا ہو اور زیر کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو یائے معروف پیدا ہو اور زیر اور پیش کے اس طرح ادا ہونے کو ماہر اُستاد سے سن لو، لکھا ہوا دیکھنے سے سمجھ میں شاید نہ آیا ہو۔

(فائدہ ۱۲) جب واؤ مشدّد یا کہ یاء مشدّد پر وقف ہو تو ذرا سختی سے تشدید کو بڑھانا چاہیئے تاکہ تشدید باقی رہے جیسے عَدُوٌّ ط اور عَلَى النَّبِيِّ ط

(فائدہ ۱۳) سورۂ یوسف میں ہے وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ط اور سورۂ اقرأ میں ہے لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ اگر وَلَيَكُونًا اور لَنَسْفَعًا پر وقف کرو تو الف سے پڑھو یعنی تنوین مت پڑھو۔

(فائدہ ۱۴) چار لفظ قرآن مجید میں ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اُس صاد پر چھوٹا سا سین بھی لکھ دیتے ہیں اس کا قاعدہ سمجھ لو ایک تو سورۂ بقرہ میں ہے يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ دوسرا سورۂ اعراف میں فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ان دونوں جگہ میں س پڑھو، تیسرا سورۂ طور میں اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ اس میں چاہے س پڑھو چاہے صاد پڑھو، چوتھا سورۂ غاشیہ میں بِمُصَيْطِرٍ اس میں صاد پڑھو۔

(فائدہ ۱۵) کئی مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں کہ لکھا ہوا تو ہے لا اور پڑھا جاتا ہے لَ پڑھتے وقت ان کا بہت خیال رکھو ایک سورۂ عمران میں لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ؁ دوسرا سورۂ توبہ میں وَلَاَ۠اَوْضَعُوْا تیسرا سورۂ نمل میں اَوْلَاَ۠اذْبَحَنَّهٗ چوتھا والصّٰفّٰت میں لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ پانچواں سورۂ حشر میں لَاَ۠نْتُمْ اَشَدُّ اسی طرح سورۂ آل عمران کے پندرھویں رکوع میں لکھا ہوا ہے اَفَا۟ئِنْ اور پڑھا جاتا ہے اَفَئِنْ اور چند مقامات میں لکھا ہوا تو ہے مَلَا۟ئِهٖ اور پڑھا جاتا ہے مَلَئِهٖ اور سورۂ کہف کے چوتھے رکوع میں لکھا ہوا تو ہے لِشَا۟یْءٍ اور پڑھا جاتا ہے لِشَيْءٍ اور بعض جگہ لکھا ہوا ہے نَبَا۟ئِ اور پڑھا جاتا ہے نَبَئِ۔

ع وان کان خلاف القیاس لانہا نون خفیفۃ لکن الوقف یکون تابعاً للرسم۔ منہ رح

(تنبیہ) مذکورہ قاعدے اکثر تو وہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں اور جن میں اختلاف ہے، مَیں نے امام حفص[۱] رحمۃ اللہ علیہ کے قواعد لکھے ہیں جن کی روایت کے موافق ہم لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور انہوں نے قرآن مجید حاصل کیا ہے امام عاصم[۲] تابعی سے اور انہوں نے زِرّ بن حُبَیش اَسَدی[۳] اور عبد اللہ[۴] بن حبیب سلمی سے اور انہوں نے حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ان سب حضرات نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

خاتمہ

چاند کا پورا لَمعہ بھی چودھویں رات کو ہوتا ہے اور یہاں بھی چودھویں لَمعہ کے ختم پر سب مضامین پُورے ہوگئے اس لیے یہاں پہنچ کر رسالہ کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرماوے۔ طالب علموں سے خصوص بچوں سے خصوص قدوسیوں[۵] سے رضائے مولیٰ کی دعا کا طالب ہوں۔

اشرف علی عفی عنہ ۵ صفر ۱۳۳۳ھ

۱۔ ابوعمرو حفص بن سلیمان بن مغیرہ اَسَدی کُوفی بزّاز (دو زاء کے ساتھ) ۹۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ اِن کے والد صاحب کی وفات کے بعد والدہ صاحبہ نے امام عاصم رحمہُ اللہ سے نکاح کرلیا تھا، لہٰذا ان کی پرورش و تربیت امام عاصمؒ کے زیرِ سایۂ شفقت ہوئی۔ (نشر ص ۱۵۶) ابن معینؒ کہتے ہیں، حفصؒ قراءتِ عاصم کے اندر اَعْلَمُ النَّاس تھے یعنی قرأتِ عاصم کی اصح روایت وہ ہے جو حفص نے روایت کی ہے علّامہ ذھبیؒ کہتے ہیں۔ قراءت میں ثقہ، ضابط اور ثبت تھے، امام عاصمؒ سے متعدد مرتبہ قرآن پڑھا نیز متعدد دیگر شیوخ سے اکتساب کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ تجارتِ پارچہ میں شریک تھے اگرچہ قرآءات سبعہ بلکہ عشرہ متواترہ ہیں اور سبعہ کے خلاف تو کبھی کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ حرمین اور بصرہ کی قرآءات خالص (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

حاشیہ صفحہ نمبر ۴۸ :- قریشی ہونے کی وجہ سے ایک خاص امتیاز رکھتی ہیں، مگر یہ قبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے مکاتب و مدارس میں صرف روایت حفص ؒ پڑھائی جاتی ہے اور روئے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نو سو ننانوے ۹۹۹ آدمیوں کو صرف یہی روایت یاد ہے اور ایسا شاید کوئی نہ ہو جس نے یہ روایت نہ پڑھی ہو ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ علی رغم نحات کہ یہ قرآءت مروّج ہی نہ ہونی چاہیئے تھی کیونکہ نحات ہمزتین کی تحقیق کی وجہ سے قراءتِ عاصم پر اعتراض کرتے تھے۔

(مقدمہ شرح سبعہ قرآءات از قاری ابو محمد محی الاسلام پانی پتی ص ۳۸)

۲ھ ابوبکر عاصم ابن ابی النجودؒ (والد کا نام) و ابن بہدلہ (والدہ کا نام) اَسَدی کوفی :- آپ نے شیخ القراء امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب بن ربیعہ سلمی نابینا شیخ القراء کوفہ، شیخ القراء امام ابو مریم زِر بن حُبَیش بن حباشہ بن اوس اسدی اور شیخ القراء ابو عمر سعد بن الیاس شیبانی کوفیین سے قرآن پڑھا، یہ تینوں حضرات کبار تابعین میں سے ہیں اور بلاواسطہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت اُبَیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابتؓ کے شاگرد ہیں، آپ خود بھی تابعی ہیں اور حضرت حارثؓ بن حسانؓ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض و برکت حاصل کی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں، عاصم صاحبِ قرآءت اور حماد صاحبِ فقہ تھے۔ میں عاصم کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ عجلی کہتے ہیں، عاصم صاحبِ سُنّت و قرآءت، ثقہ اور رئیس القراء تھے۔ ابو اسحٰق سبیعی بار بار کہتے تھے، میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا، عاصم سے زیادہ قرآن کا عالم کوئی نہیں۔ امام ابو عبد الرحمٰن کے بعد کوفہ کی ریاست قراءت آپ پر منتہی ہوتی تھی، آپ فصاحت و بلاغت، ضبط و اتقان اور تجوید و تحریر کے جامع تھے، طریقۂ ادا اور لہجہ عجیب و غریب تھا، خوش الحانی کی نظیر نہ تھی، عابد و کثیر الصلوٰۃ تھے ۱۲۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی پچاس سال کے قریب مسند کوفہ پر جلوہ افروز رہے، آپ کے شاگرد ابوبکر شعبہ کہتے ہیں وفات کے وقت آیت ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ بار بار پڑھتے تھے اور اس تحقیق و صفائی سے پڑھتے تھے گویا محراب میں قرآن سُنا رہے ہیں (رحمۃ اللہ علیہ) باعتبار طبقات و رجال آپ امام ابن عامر شامی کے بعد اور باقی سب سے مقدم ہیں (مقدمہ شرح سبعہ قراءات ص ۳۷) حضرت حفصؒ کے علاوہ آپ کی قراءت کے راویوں میں عظیم الشان ائمہ و علماء ہوئے ہیں، انہیں میں مُفَضَّل، حمّاد اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ بھی ہیں (ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری، شرح شاطبیہ ص ۱۴)

کتبہٗ محمد فاضل

۳۔ زِرّ (بالکسر وتشدید را) بن حُبَیْش اَسَدی، ابو مریم کنیت ہے، یہ بزرگ مُخَضْرمی تھے یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ لیکن مشرف باسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہوئے۔ اسی لیے ان کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں استفادہ کا بڑا موقعہ نصیب ہوا، اور ان کے فیض نے اُن کو جلیل القدر تابعی بنا دیا علامہ نوویؒ لکھتے ہیں وہ اکابر تابعین میں سے ہوئے ہیں اور ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۹۷) قرآن کے ممتاز قراء وعلماء میں سے تھے حدیث میں علامہ ذہبی ان کو ائمۂ حفاظ میں سے لکھتے ہیں۔

آپ کے مشائخ صحابہ میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی، ابو ذر غفاری، عبد اللہ بن مسعود، عبد الرحمن بن عوف عباس بن عبد المطلب اور اُبی بن کعب وغیرہ (رضی اللہ عنہم) تھے۔

ممتاز شاگردوں میں ابراہیم نخعی، عاصم بن ابی النَّجُود، مِنہال بن عَمْرو، عیسیٰ بن عاصم۔ عدی بن ثابت، امام شعبیؒ اور ابو اسحٰق شیبانی وغیرہ شہرت رکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۱)

وفات۔ زِرّ بن حُبَیْشؒ نے طویل عمر پائی باختلاف روایت ۸۱ھ میں وفات ہوئی، وفات کے وقت ۱۲۲ سال عمر مبارک تھی، رحمہُ اللہ (تہذیب)

۴۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سُلَمی نابیناؒ۔

کوفہ کے ممتاز قرّاء میں اُن کا شمار تھا اور زندگی کا خاص موضوع کتاب اللہ ہی تھا، فنِ قراءت میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ اور اپنے والد صاحب سے کمال پیدا کیا (ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۹) حافظ ذہبیؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ حضرت عثمان اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی تعلیم حاصل کی (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۰) قرآن کا درس دیتے تھے مگر اس کا کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے، عمرو بن حُریث کے لڑکے کو انہوں نے فن قراءت میں تکمیل کرائی، عمرو بن حُریث نے ان کی خدمت میں سواری کا اونٹ مع خوبصورت پالان کے بھیجا، مگر انہوں نے یہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور صاف کہلا دیا کہ ہم کتاب اللہ پر کوئی اُجرت نہیں لیا کرتے ہیں (ابنِ سعد ج ۶ ص ۱۲۰) کامل چالیس سال تک مسجد میں قرآن کا درس دیا اور آپ کے بعد یہ مسندِ قراءت امام عاصمؒ کو منتقل ہوئی (تہذیب ج ۵ ص ۱۸۴) حدیث کے حافظ تھے۔

آپ کے مشائخ:۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت خالد بن ولید

حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو درداؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہوئے ہیں۔

آپ کے ممتاز شاگرد:۔ حضرت ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ، حضرت سعد بن عُبیدہ، حضرت ابو اسحاق، سعد بن جبیر، عطاء بن ثابت اور امام عاصم رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

وفات:۔ عبد الملک کے عہد خلافت ۷۳ھ کوفہ میں وفات پائی، بحالتِ اعتکاف مسجد میں مستقل قیام فرماتے مرض الموت میں بھی مسجد میں ہی تھے، عطاء بن سائب نے جاکر عرض کیا، خدا آپ پر رحم کرے، آپ اپنے بستر پر منتقل ہو جاتے تو اچھا تھا۔ فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے، اور ملائکہ اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ مسجد ہی میں مروں (رحمہ اللہ) ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۱۔

علّامہ عبد العظیم زُرقانی لکھتے ہیں کہ ابن حبیب سلمیٰ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے صاحبزادوں حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے جلیل القدر استاذ ہوئے ہیں (مَناھلُ العِرفان ج ۱ ص ۴۵۱)

۵ھ برِّ صغیر میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ (متوفّٰی ۲۳ جمادی الآخرہ ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) کے اولاد و اَحفاد قدّوسی کہلاتے ہیں، انہیں بعض بزرگوں کی فرمائش پر حضرت مؤلفؒ نے تجوید میں یہ رسالہ تحریر فرمایا "قُدّوسیوں" سے یہی حضرات مراد ہیں۔

اظہار احمد تھانوی

مَدرسہ تجویدُ القرآن موتی بازار لاھور

ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء

(نعمانی آفسٹ پریس دھلی)